طارق چھتاری

طارق چھتاری یکم اکتوبر 1954ء کو ضلع بلند شہر کے چھتاری قصبے میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو میں پروگرام اکزیکیٹو کے طور پر تقریباً دس برسوں تک کام کیا۔ 1993ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہوئے جہاں اب پروفیسر ہیں۔ ''جدید افسانہ (اردو، ہندی)'' ان کی تحقیقی کتاب ہے۔ 2001ء میں ''باغ کا دروازہ'' عنوان سے ان کے 19 افسانوں کا پہلا مجموعہ شائع ہوا۔

1970ء کے بعد جن افسانہ نگاروں نے اپنی تخلیقی سرگرمیاں شروع کیں ان میں طارق چھتاری نے کم لکھنے کے باوجود اپنی شناخت قائم کی۔ علامتوں کا سلجھا ہوا استعمال ان کے افسانوں کو روایت سے الگ کرنے کے باوجود قابل مطالعہ بناتا ہے۔ زبان کی سطح پر محتاط رویہ انھیں دوسرے ہم عصروں سے امتیاز عطا کرتا ہے۔ طارق چھتاری تجربہ پسند افسانہ نگار ہیں۔ کلاسیکیت سے بھی اُنھیں شغف ہے اور اُن کی تخلیقات میں اس شعور کا اکثر و بیشتر استعمال ملتا ہے۔

'نیم پلیٹ'، 'گلوب'، 'ژ مبان'، 'چابیاں'، 'صبحِ کاذب'، 'آن بان'، 'باغ کا دروازہ' اور 'لکیر'—— اُن کے مشہور افسانے ہیں۔ فکشن کے تعلق سے اُن کے متفرق مضامین توجہ کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔

طارق چھتاری کا تخلیقی طریقۂ کار اس طور پر دوسرے لکھنے والوں سے مختلف ہے کیوں کہ اُن کے یہاں جدیدیت کے آخری عہد کے افسانوی حربے بہت متوازن طریقے سے استعمال میں لائے گئے ہیں۔ اُن کے ہر افسانے میں استعاراتی زبان روایتی بیانیہ کی طرف ضرور بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے لیکن وہ شفاف بیانیہ میں تبدیل نہیں ہوتی۔ اُن کے افسانوی موضوعات مختلف النوع ہیں۔ دیہی سماج کے مسائل ہوں یا شہری زندگی کے عتابات یا اقوامِ عالم کی ابتری؛ وہ ہر جگہ احتیاط کے ساتھ بہترین تجزیاتی ذہن کا استعمال کرتے ہوئے اپنے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اُن کا سیاسی اور سماجی شعور نہایت بالیدہ ہے اور اس کا سلیقے کے ساتھ افسانوں میں استعمال ملتا ہے۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

باغ کا دروازہ

گرمیوں کی تاروں بھری رات نے گھر کے بڑے آنگن کو شبنم کے چھڑکاو سے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ جیسے ہی دادی جان نے تسبیح تکیے کے نیچے رکھی، نوروز کود کران کے پلنگ پر جا پہنچا۔ ''دادی جان جب سبھی شہزادے باغ کی رکھوالی میں ناکام ہو گئے تو چھوٹے شہزادے نے بادشاہ سلامت سے کیا کہا.......؟''

''نوروز تو اب بڑا ہو گیا۔ کہانیاں سننا چھوڑ.....''

''دادی جان یہ کہانی کہاں ہے، یہ تو ہمارے ہی شہر کے باغ کا قصہ ہے۔ باغ کوٹھی والا باغ۔''

''ہاں میرے لال، یہ ہمارے شہر کی بھی داستان ہے اور ان شہروں کی بھی جو ہم نے نہیں دیکھے ہیں۔''

''کیا چھوٹا شہزادہ بھی باغ کی رکھوالی میں ناکام ہو جائے گا؟''

''اچھا سن..............لیکن ہنکارے بھرتے رہنا۔''

''تو چھوٹے شہزادے گل ریز نے بادشاہ سلامت سے کہا۔ بابا حضور مجھے بھی ایک موقع دیجیے۔ بادشاہ نے لختِ جگر پر نگاہ کی اور بولے۔ نہیں جانِ پدر، شرط مشکل ہے اور تو عزیز۔ اگر تیرا پہرا بھی ناکام ہوا تو اس وطن کے آخری ستارے کو بھی شہر بدر ہونا پڑے گا۔ شہر خالی ہو چکا ہے۔ تیرے پانچوں بھائی بھی میری آنکھوں کو ویران کر گئے ہیں۔ باغ پر کسی دیو کا سایہ ہے جو سخت نگہبانی کے باوجود صبح ہوتے ہوتے سارے چمن کو اجاڑ دیتا ہے۔ پہرے کی کامیابی پر آدھی بادشاہت دینے کا وعدہ ہے۔ مگر تجھے کیا؟ اے میرے خوش بخت فرزند تو تو پوری سلطنت کا مالک ہے۔ نہیں بابا حضور، میں نے بیڑا اٹھایا ہے، اب آپ حکم دیجیے۔ جیسی تیری مرضی، اور بادشاہ نے شہزادے گل ریز کو رخصت کیا۔ شہزادے نے اپنے ساتھ ایک چاقو اور شیشی میں پسی ہوئی سرخ

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

مرچیں لیں اور باغ کی سمت روانہ ہوا۔ باغ کے دروازے میں داخل ہو، دروازہ بند کر، پہرہ دینے لگا۔ جب رات آدھی ہوئی اور جھپکیاں آنے لگیں تو اس نے چاقو نکال، اپنی کنی انگلی تراش، اس میں مرچیں بھر لیں۔ نیند آنکھوں سے غائب ہوگئی اور سحر نمودار ہونے لگی۔ اسے یاد آیا کہ عرصہ ہوا اس باغ میں ایک فقیر نے ڈیرا ڈالا تھا اور کسی بات پر خوش ہو کر اس قلندر نے شہزادے کو بتایا تھا کہ اس باغ پر ایک دیو کا سایہ ہے۔ جو بھی اس کی پاسبانی کرے گا وہ پو پھٹتے سو جائے گا۔ اگر کسی صورت میں جاگتا رہ جائے تو دیو پر فتح پائے گا۔ سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھتا کیا ہے، ایک لحیم شحیم دیو باغ کی فصیل لانگ کر داخل ہوتا ہے اور پھولوں کی کیاریوں کو روندتا ہوا پھل دار درختوں پر چڑھ جاتا ہے۔ بس شہزادے نے دیکھا اور پلک جھپکتے ہی اس کی دم سے لٹک گیا۔ دیو ڈال ڈال تو شہزادہ پات پات۔ دیو نے کہا، میں سیر ہوں، شہزادہ بولا، میں سواسیر۔ دیو پلٹا، شہزادہ کود کر اس کی پیٹھ پر......"

"سو گیا کیا؟"

"نہیں دادی جان۔"

"اچھا تو سن۔" اور پھر وہ بہت دیر تک دیو اور شہزادے کے داؤ پیچ بیان کرتی رہیں۔ "آخر کار دیو کی ہار ہونی تھی، سو ہوئی۔ بولا تو جیتا میں ہارا۔ اب مجھے چھوڑ، اس کے عوض تجھے سات بال دوں گا جو وقتِ ضرورت تیرے کام آئیں گے۔ جب مصیبت پڑے تو ایک بال جلا دینا، باقی برے وقت کے لیے رکھ لینا۔"

یہ کہہ کر دادی جان نے اطمینان کی سانس لی، اس کے بعد سانسوں میں آواز پیدا ہونے لگی اور وہ سو گئیں۔ نوروز رات کو کہانی کی اگلی کڑی سنتا اور دن میں باغ اور کوٹھی کے چکر لگاتا۔ یہ سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا، پھر ایک دن نوروز نے دادی جان سے کہا۔

"آج کہانی پوری کر کے ہی سوئیے گا دادی جان۔"

"اچھا تو کہاں تک پہنچے تھے؟" لمحے بھر سوچ کر خود ہی قصّے کو مختصراً دہرانے لگیں۔

"شہزادے نے بادشاہت نہیں لی اور اپنے بھائیوں کی تلاش میں راج پاٹ چھوڑ کر چل پڑا۔ بھائی ملے مگر مارے حسد کے اسے سائیس بنا کر رکھا۔ بھائی سویرے نکلتے، شام کو لوٹتے اور بہت فکر مند رہتے۔ ایک شب بھائی سمجھے وہ سو گیا ہے مگر وہ جاگ رہا تھا، بھائیوں کو کہتے سنا کہ آج پھر منادی ہوئی ہے کہ جو شخص برج کی محراب میں بیٹھی شہزادی گلشن آرا کو محل کے پہلے دروازے سے پھول کی گیند مارنے میں کامیاب ہو جائے گا وہ اسی کے ساتھ شادی کرے گی۔ اشتیاق بڑھا، چھپ کر بھائیوں کے پیچھے چل دیا اور یہ ماجرا دیکھا کہ دور دراز ملکوں سے آئے شہزادے اپنی اپنی قسمت آزما رہے ہیں مگر شہزادی جس بارہ دری میں بیٹھی ہے وہاں ہوا کچھ اس رخ سے چلتی ہے کہ شہزادی تک گیند کا پہنچنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسے طلسمی بالوں کا خیال آیا۔ ایک بال جلایا، سبز گھوڑا سبز جوڑا تیار اور پھولوں کی ایک گیند جو شہزادے کے اشارے کے تابع دار تھی، ہاتھ میں آ گئی۔ کامیابی ملی، مگر وہ گھوڑے کو لے کر نظروں سے اوجھل۔ دوسرے دن سرخ جوڑا، سرخ گھوڑا اور گیند۔ گل ہزارہ کی گیند شہزادی گلشن آرا کے رخ روشن کو چھوتی اور بکھر جاتی۔ یہ سب اس طرح ہوتا جیسے بجلی کوندگئی ہو اور دیکھتے ہی دیکھتے شہزادہ نظروں سے غائب۔ ساتویں روز

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

سفید جوڑا اپنے سفید گھوڑے پر سوار ہوکر جب وہ گیند مار کر فرار ہوا تو شہزادی کے منصوبے کے مطابق اس کے داہنے پیر کو محل کے سپاہیوں نے زخمی کر دیا۔ بس شہر بھر میں زخمی پیر والے شخص کی تلاش شروع ہوئی اور ایک سرائے کے پچھواڑے سائیس کے بھیس میں شہزادہ گرفتار ہوا۔ شہزادی کی ضد کے نتیجے میں شادی تو ہوگئی مگر بادشاہ سلامت کو کم رتبہ رشتہ پسند نہیں آیا۔ دونوں کو دو دھڑی اناج اور ایک اشرفی دے کر سلطنت سے نکال دیا۔ ان دونوں نے ایک دنیا بسائی۔ دنیا بسانے کا وہی پرانا طریقہ۔ ایک اشرفی کے کچھ چاول، کچھ ریشم کے دھاگے، کچھ زری کے تار اور کچھ اوزار، چاول کے دانے میدان میں ڈالے۔ رنگ برنگی چڑیا آئیں، پر ٹوٹے، ان کو سمیٹ کر پنکھا بنایا۔ شہزادہ بازار میں بیچ آیا۔ پھر چاول کے دانوں، ریشم کے دھاگوں اور زری کے تاروں کی تعداد بڑھتی گئی۔ ہر روز کئی کئی پنکھے تیار ہونے لگے۔ پھر فرشی پنکھے، چھت سے لٹکنے والے پنکھے اور دیوار کے قالین بننے لگے۔ کاروبار بڑھا تو ایک گڑھی نما قلعہ بنوایا، یوں ان کی دنیا آباد ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کی اور پھر ایک باغ لگایا۔"

"بس دادی جان۔ آگے کا قصہ مجھے معلوم ہے۔"

"تجھے کیسے معلوم؟"

"ہمارے ہی شہر کی تو کہانی ہے۔ باغ کوٹھی کے دربان شیز فام نے مجھے سنائی تھی۔ اور دادی جان وہ کہانی میں نے رات میں نہیں دن میں سنی تھی۔"

دادی جان کو اطمینان ہو گیا، وہ سو گئیں لیکن نوروز جاگتا رہا اور آج وہ برسوں بعد سوچتا ہے کہ اس نے دادی جان سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔ کیا وہ آگے کی کہانی سننا نہیں چاہتا تھا؟ مگر کیوں؟ شاید اس لیے کہ گلشن آرا کے لگائے ہوئے باغ کی کہانی وہ سننا نہیں، دیکھنا چاہتا تھا۔ اور باغ لگتے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اب اجڑتے ہوئے بھی دیکھ رہا ہے۔ یہ باغ ہزاروں سال میں لگ پایا تھا، نوروز کی آنکھیں اس کی گواہ ہیں۔ ہزاروں سال پرانی آنکھیں۔ ایک ایک پودا اس کے سامنے لگا ہے اور ایک ایک پھول اس کی آنکھوں کے آگے کھلا ہے۔ یہ باغ نہیں مختلف پھولوں سے بنی شہزادہ گل ریز کی گیند ہے جو گلشن آرا کے رخِ روشن سے ٹکرا کر بکھر گئی ہے۔

نوروز کا دنیا دیکھنے اور زندگی کو سمجھنے کا یہ طلسمی انداز واقعات کو یوں دیکھتا ہے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ شہر میں نٹوں کی ایک ٹولی داخل ہوئی۔ ایک نوجوان نٹ اور اس کی نہایت ملوک نٹنی نے اعلان کیا کہ وہ نقلی پر لگا کر دو کوس تک اڑ سکتے ہیں۔ بس لوگ جمع ہونے لگے۔ اس کی خبر گڑھی کی بالائی منزل پر شہزادی گلشن آرا کے کانوں تک پہنچی۔ شہزادی نے نٹ کے اس جوڑے کو بلوا بھیجا۔ کرتب شروع ہوا۔ مشرقی برج سے چھاج کے نقلی پر لگا کر دونوں اڑے۔ دو کوس کا دعویٰ تھا، ڈھائی کوس تک اڑتے رہے اور پھر جب گرے تو خدا کا کرنا، دونوں نے وہیں دم توڑ دیا۔ شہزادی گلشن آرا پالکی میں سوار ہو کر جب وہاں پہنچیں تو دیکھتی کیا ہیں کہ وہاں نہ کوئی نٹ ہے اور نہ کوئی نٹنی۔ لاش کا کہیں پتہ نہ تھا، بس دو پھول کھلے ہوئے تھے۔ رنگ ان کا ایسا کہ دنیا میں مثال نہیں۔ شہزادی گلشن آرا نے حکم نامہ جاری کیا کہ یہاں ایک ایسا باغ لگایا جائے جس میں دنیا بھر کے نایاب و نادر پھول، طرح طرح کے پھل اور بے شمار خوبصورت درخت ہوں۔ باغ کی چہار دیواری ایسی ہو کہ جس میں ہزار دروازے ہوں اور سارے

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

دروازے سبھی کے لیے کھلے رہیں۔ باغ کی پہرے داری گل صد برگ کریں اور ان کی سواری گل گوں ہو۔ شہزادی کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ پہلے تمر ہندی، برگد، پیپل اور املتاس کے درخت لگائے گئے اور پھر درمیانی رَوِشیں مولسری، آبنوس اور صنوبر کے درختوں سے آراستہ کی گئیں۔ باغ کے وسط میں ایک عالی شان عمارت تعمیر کی گئی جو باغ کوٹھی کے نام سے مشہور ہوئی۔ لوگ مختلف ممالک سے آتے، اپنے ساتھ نایاب قسم کے پودے لاتے اور باغ کوٹھی میں قیام کر کے محسوس کرتے گویا باغ میں نہیں شہزادی گلشن آرا کے دل میں قیام پذیر ہوں۔ کچھ آنے والے کوہِ قاف کو عبور کر کے آئے تو کچھ سمندر کے راستے۔ دور دور تک اس گل کدے کی شہرت تھی۔ لوگوں کی آمد کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہا۔ اب گل داؤدی، گلِ رعنا اور گلِ آفتاب کے ساتھ ساتھ کرسمس ٹری، پام کے درخت اور منی پلانٹ کی بیلیں بھی اس چمن زار میں دکھائی دینے لگی تھیں۔

پھر کیا ہوا، کیسے ہوا کہ باغ اجڑنے لگا۔ نوروز بستر پر لیٹا سوچ ہی رہا تھا کہ گلیارے میں ایک شور اٹھا۔ بیٹھک کی کھڑکی کھول کر دیکھا کہ باغ کی پاسبانی کا عزم لیے کچھ لوگ نعرے لگاتے گلی سے گزر رہے ہیں۔ وہ بھی چبوترے پر نکل آیا اور ہجوم کے سنگ سنگ چلنے لگا۔ پھر اس نے جانا کہ بھیڑ باغ میں داخل ہو چکی ہے اور وہ تنہا دروازے کے باہر کھڑا رہ گیا ہے۔ نظریں اٹھائیں تو پایا کہ اب فصیل مزید اونچی کر دی گئی تھی اور اس کے تمام دروازے پتھروں سے چن دیے گئے تھے۔ صرف صدر دروازہ کھلا تھا، جس پر سیاہ وردی پہنے سپاہی آبنوس کے درختوں کی طرح جامد و ساکت کھڑے تھے۔ اندر جانے کی کوشش کی، پر اسے یہ کہہ کر روک دیا گیا کہ ابھی اجازت نہیں۔ کارروائی شروع ہو چکی ہے۔

دوسرے روز سورج نکلنے سے پہلے ہی وہ باغ کی طرف روانہ ہو گیا۔ صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی اس نے دیکھا کہ جہاں مولسری اور صنوبر کے شجر تھے وہاں ببول کی کانٹے دار جھاڑیاں اُگ آئی ہیں۔ حوض جس میں ہر پل فوارہ چلتا رہتا تھا اسے بارش کے پانی اور کائی کی پرتوں نے مینڈکوں کا مسکن بنا دیا ہے۔ سامنے نگاہ کی تو کھلا کہ باغ کی کوٹھی کے کھنڈر دم سادھے کھڑے ہیں۔ کوٹھی کی بلند محراب کی طرف گردن اٹھائی تو اندھیرے میں ڈوبے آسمان کا عکس نظر آیا۔ محراب ٹوٹ کر گر چکی تھی اور ستون سرنگوں تھے۔ وہ بڑھتا رہا اور آگے بڑھتا رہا کہ ایک پتھر سے ٹکرا کر اوندھے منہ آ گرا۔ کانپتی انگلیوں سے ٹٹولا تو دو قبروں کے نشان پائے۔ اسے معلوم ہے یہ قبریں شہزادہ گل ریز اور شہزادی گلشن آرا کی ہیں۔ اب سورج آسمان پر پاؤں جما چکا تھا۔ صدر دروازے کے باہر ہجوم جمع ہونے لگا۔ نوروز اٹھا اور باغ کوٹھی کے کھنڈر کی ایک دیوار کے پیچھے چلا گیا اور سوچنے لگا۔ نگہ داشت کی تمام کوششیں جاری ہیں، پھر آخر یہ باغ روز بہ روز کیوں ویران ہوتا جا رہا ہے؟ باہر ایک ازدحام ہے اور گشت پہلے سے زیادہ سخت۔ ''کیا ہزاروں سال پرانا دیو پھر سے........''

ایک شور اٹھا اور بھیڑ اندر داخل ہو گئی۔ کچھ لوگ حوض کے چبوترے پر، باقی حوض کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ چبوترے پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ''باغ کی حفاظت کی ذمے داری اب ہماری ہے۔ صدر دروازے کو بھی باقی دروازوں کی طرح بند کر دینا ہوگا۔'' مجمعے سے ایک آواز اُبھری۔ ''باہر سے کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔'' یہ کہہ کر اس نے دامن سمیٹ لیا اور بیٹھ گیا۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

چبوترے پر کھڑا شخص پھر بولا۔ ''یوں تو ہم نے صدیوں سے اس باغ میں کسی گل ریز اور کسی گلشن آرا کو نئی قسم کا کوئی بھی پودا لگانے نہیں دیا ہے کیوں کہ ہر نیا پودا پرانے پودے کو غارت کر دیتا ہے۔ چہار دیواری کے باہر سے لائے ہوئے پودے لگا کر باغ کی فضا کو آلودہ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔''

نوروز دیوار کی آڑ میں کھڑا حیرت سے سن رہا تھا۔ ''نئے پودوں کی آمد پر بندش؟ کہیں باغ کے ویران ہونے کی یہی وجہ تو نہیں۔ ہاں یہ بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے باغ اجڑا ہی نہ ہو بلکہ نئے پھولوں کے نہ کھلنے اور نئے پھلوں کے نہ پھلنے کے سبب دنیا کے دوسرے باغوں کے مقابلے میں اجڑتا ہوا سا محسوس ہو رہا ہو۔''

اب اس نے دیکھا کہ چبوترے پر کوئی دوسرا شخص آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اس شخص نے شلوکے کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور مسکراتے ہوئے باغ کے چوتھے کھونٹ کی طرف اشارہ کیا، جیسے اس نے رکھوالی کا کوئی کارگر طریقہ ڈھونڈ نکالا ہو۔ دیوار کے پیچھے سے نوروز نے جھانک کر دیکھا اور ششدر رہ گیا۔ وہاں سے گلِ رعنا، گلِ جعفری اور گلِ سوسن کے پودے اکھاڑ دیے گئے تھے۔ ہاں کیتکی اور ناگ پھنی کے پودے قطاروں میں اسی طرح لگے ہوئے تھے۔

''باغ کی صفائی کے نام پر خود رو گھاس سمجھ کر ان لوگوں نے سب پودے اکھاڑ پھینکے۔ گلِ سوسن بھی!'' اس نے چیخ کر کچھ کہنا چاہا مگر اب اس کی زبان پوری طرح گنگ ہو چکی تھی ۔ کیوڑے کی جھاڑیوں سے ایک سانپ نکلا اور گلِ شب افروز کے جھنڈ سے ہوتا ہوا بھیڑ میں شامل ہو گیا۔ کچھ لوگ بلّم بھالے لے کر دوڑے اور سانپ مارنے کے بجائے گلِ شب افروز کے پودوں کو جڑ سے اکھاڑنے لگے۔ اب حوض پر کھڑا وہ شخص کہہ رہا تھا کہ........ ''بے کار اور بے میل پیڑ پودے اکھاڑ پھینکو۔ برگد کی صف میں برگد اور پیپل کی صف میں پیپل۔ پلکھن، چیڑ، ساکھو اور بس.......'' اس کی بات ادھوری ہی تھی کہ بغیر کچھ سوچے، بغیر کچھ سمجھے بھیڑ چاروں طرف بکھر گئی اور پلک جھپکتے خیار شنبر، پام اور اریوکیریا کے درخت اکھاڑ پھینکے۔

''اے خدا یہ باغ کی زیبائش کا کون سا طریقہ ہے؟ اے میرے پاک پروردگار کیا اب اسے بچانے کی کوئی تدبیر نہیں۔ اے قادر مطلق کوئی ترکیب بتا۔ ہاتھ میں چاقو اور سرخ مرچوں کی شیشی لے کر کسی شہزادے کو بھیج۔'' اتنے میں دیکھتا کیا ہے کہ کچھ نوجوان ایک ہاتھ میں چاقو اور دوسرے ہاتھ میں شیشی لیے باغ میں داخل ہوئے۔ وہ سب پہرے کے لیے باغ کے کونے کونے میں منتشر ہونا ہی چاہتے تھے کہ ایک بوڑھا شخص سامنے آ کھڑا ہو گیا۔

''دیکھو میرے چہرے پر یہ جھریاں دیکھو۔'' پھر اس نے کٹی انگلی کا زخم دکھایا اور رقّت آمیز لہجے میں بولا۔ ''میں یہ ترکیب صدیوں سے آزماتا آ رہا ہوں۔ کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تدبیر اب کارگر نہیں رہی۔ اب کوئی دیو باغ کی دیوار پھلانگ کر اسے اجاڑنے کے لیے باہر سے نہیں آتا، اس کے اجڑنے کا سبب کچھ اور ہے، تو ظاہر ہے نگہبانی کی تدبیر بھی کچھ اور ہی ہوگی۔'' اتنا سننا تھا کہ مجمع پر سکتہ سا طاری ہو گیا اور پھر ایک ایک کر کے سب واپس ہو لیے۔ وہ بھی جو بعد میں آئے تھے اور وہ بھی جو حوض کے گرد جمع تھے۔

ایک روز پھر شہر میں ڈُگّی پٹی، اعلان ہوا کہ ''باغ کی حفاظت کے تمام حربے آزمائے جا چکے ہیں، مگر ہر بار ناکامی

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

ہاتھ آتی ہے۔ باغ متواتر ویران ہوتا جارہا ہے۔ ہر خاص وعام کو مطلّع کیا جاتا ہے کہ سورج طلوع ہونے سے قبل باغ کے صدر دروازے پر پہنچے۔'' سورج طلوع ہونے میں ابھی دیر تھی۔ صدر دروازہ بند تھا۔ بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو چکے تھے۔ نوروز بھی ہزاروں سال پرانی آنکھوں میں ویرانی لیے وہاں موجود تھا۔ دروازے پر بڑی سینی میں چاندی کے ورق پر لپٹا ایک بیڑا رکھا تھا۔ ایک جمِ غفیر تھا مگر خاموش..... ''تو کیا اسی طرح لوگ شام ہوتے ہوتے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے؟'' آخر کار شام بھی ہوگئی۔ دن بھر کی گرم ہوا نے سینی میں رکھے بیڑے کو جھلسا دیا۔ لگتا تھا کہ ایک جھٹکے کے ساتھ لوگ پلٹیں گے اور واپس شہر کی طرف دوڑ پڑیں گے کہ اچانک مجمع سے ایک آواز آئی جیسے بجلی چمکی ہو اور پھر بادل گرجنے لگے۔ مجمع کو چیرتا ایک بوڑھا، اپنی جھولی کو بغل میں دبائے صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ نوروز نے پہچاننے کی کوشش کی۔ ''کیا یہ گل ریز ہے؟ نہیں۔ تو پھر شاید نوروز۔ نہیں۔ میں تو یہاں کھڑا ہوں اگر اس وقت میرے چہرے کے سامنے آئینہ ہوتا تو ضرور اس بوڑھے کو قریب سے دیکھ پاتا۔'' اس نے تھوڑا آگے بڑھ کر پہچاننے کی کوشش کی۔ ''ارے یہ تو وہی بوڑھا ہے جس نے کٹی انگلی کا زخم دکھا کر مجمع کو واپس کیا تھا۔ اس دن یہ کتنا مایوس تھا مگر آج اس کے چہرے پر یہ چمک؟ شاید میری آنکھوں کی چمک ہو۔'' پھر کیا تھا، بوڑھے نے بیڑا اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھ کر منہ میں رکھ لیا۔ لوگ مضطرب تھے۔ شاید دیکھنا چاہتے تھے کہ اس کی جھولی میں کیا ہے؟ بوڑھے کی تجربے کار آنکھیں مسکرائیں۔ اس نے جھولی میں ہاتھ ڈالا، سب سے پہلے جو چیز نکلی وہ گل ہزارہ کی ایک خوبصورت گیند تھی۔ پھول کی اس گیند کے چاروں طرف نیلوفر، نسترن اور یاسمین کی پتیاں گندھی ہوئی تھیں۔ اس جھولی سے پھر ایک تیشہ نکلا نوروز نے دیکھا کہ تیشے کی نوک پر فصیل کے تمام بند دروازوں کو توڑنے کا عزم چمک رہا تھا۔

''سب سے پہلے باغ کے تمام دروازے کھولنے ہوں گے۔'' بوڑھے نے کہا۔ نوروز کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ باغبانی کے اوزار اور کچھ نایاب ونادر پھولوں کے پودے دیکھ کر وہ بوڑھے کے بالکل قریب جا پہنچا، اتنا قریب کہ شاید دونوں میں اب کوئی فرق نہ رہا تھا۔

لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ایک آواز آئی۔

''رکھوالی کا یہ کون سا طریقہ ہے؟''

بوڑھے نے اس طرف دھیان نہیں دیا اور نرمی سے کہا۔ ''آپ سے دست بستہ گزارش ہے کہ سب اپنی اپنی مٹھیاں کھول دیں۔'' سب نے بند مٹھیاں کھول دیں، پھر صدر دروازہ کھلا، بوڑھا باغ میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا کہ ٹھٹکا، پلٹ کر نوروز کی طرف آیا اور بولا۔ ''ممکن ہے میں باغ کی نگہبانی میں کامیاب ہو جاؤں۔ ممکن ہے باغ پھر سے سرسبز ہو جائے۔ ممکن ہے اس گلستاں کا دامن بہت وسیع ہو جائے مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ باغ پھر نہیں اجڑے گا۔'' نوروز یہ سوال سن کر بوڑھے کے قدموں میں گر گیا۔ بوڑھے نے جھک کر اسے اٹھایا اور جھولی میں ہاتھ ڈال دیا۔ سب تعجب سے دیکھ رہے تھے کہ اب جھولی سے کیا نکلتا ہے۔ اس نے جھولی سے سیاہ دستے اور تیز دھار والی کوئی شے نکال کر نوروز کے ہاتھ میں تھما دی۔

''شاید چاقو ہے! لیکن مرچوں کی شیشی؟'' نوروز سوچ ہی رہا تھا کہ بوڑھے نے پھر جھولی میں ہاتھ ڈال دیا اور ایک

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

شیشی نکال کر نوروز کو دی اور کہا۔ "اگر تو اس کا صحیح استعمال کرے گا تو یہ باغ قیامت تک شاداب و سرسبز رہے گا، لیکن ...." اس نے 'لیکن' سے آگے کچھ کہنا چاہا مگر پھر 'لیکن' کے سوا کچھ نہ کہہ سکا اور مجمع کی طرف دیکھ کر مایوس ہو گیا۔

نوروز نے دونوں چیزوں کو دیکھا۔ ان میں نہ کوئی چاقو تھا اور نہ مرچوں کی شیشی۔ اس نے پھر غور سے دیکھا اور سیاہ روشن رقیق سے لبریز شیشی کے ڈھکن کو کھولا اور تیز دھار والی چیز کے ایک سرے کو داہنے ہاتھ سے انگوٹھے اور دو انگلیوں کے پوروں کے درمیان دبا کر شیشی میں ڈبو دیا۔ ایسا کرتے ہی اس کے چہرے سے دانش وری کی شعاعیں پھوٹنے لگیں اور باغ کی فصیل پر ایک تحریر ابھر آئی۔ نوروز کے ذہن کے تار جھنجھنانے لگے۔ آسمان کی جانب نظریں اٹھائیں تو دیکھا کہ ایک پریوں کی شہزادی، ماتھے پر نقرئی تاج، ہاتھ میں قدیم ساز، ہنس پر سوار، باغ کے دروازے کے بہت قریب سے گزر رہی ہے۔

یہ ماجرا نوروز اور بوڑھے کے سوا سب کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا اور پھر یوں ہوا کہ جس نے بوڑھے کو دیکھا وہ نوروز کو نہیں دیکھ سکا اور جو نوروز کو دیکھ رہا تھا اس کی نظروں سے بوڑھا غائب تھا۔

لفظ و معنی

تسبیح	–	سو دانوں کی مالا، خدا کو پاکی سے یاد کرنا
ہُنکارے بھرنا	–	ہاں ہاں کہنا
لختِ جگر	–	جگر کا ٹکڑا، اولاد
جانِ پدر	–	باپ کی جان، پیاری اولاد
کنی انگلی	–	ہاتھ یا پانو کی سب سے چھوٹی انگلی، چھنگلی
شہر بدر کرنا	–	کسی جرم یا گناہ کے سبب شہر سے باہر کرنا، دیس سے نکال دینا
خوش بخت	–	خوش قسمت
بیڑا اٹھانا	–	آمادہ ہونا
نمودار ہونا	–	ظاہر ہونا
قلندر	–	فقیر
پَو پھٹنا	–	صبح کی سفیدی کا نمایاں ہونا
لحیم شحیم	–	موٹا تازہ
فصیل	–	چار دیواری، شہر کی چار دیواری
حسد	–	جلن، کینہ
سائیس	–	گھوڑے کی دیکھ بھال کرنے والا
بُرج	–	گنبد

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

محراب	–	گول دروازہ، طاق، شاہی خلوت گاہ
اشتیاق	–	شوق
تابع دار	–	حکم ماننے والا
رخِ روشن	–	روشن چہرہ
کوندنا	–	بجلی چمکنا
نایاب	–	جو پایا نہ جائے، نادر، قیمتی
دھڑی	–	پانچ سیر کا وزن
رَوِش	–	طریقہ، انداز
آراستہ	–	سجا ہوا
وسط	–	درمیان، بیچ
قیام پذیر	–	ٹھہرا ہوا
عبور	–	پار کرنا
گل کدہ	–	پھول کا گھر، گلشن، پھلواری
زری	–	سونے کا تار
مَلُوک	–	خوبصورت
جامد وساکت	–	بے حس وحرکت
چُن دینا	–	دیوار اٹھانا، عمارت تعمیر کرنا
مسکن	–	سکونت کی جگہ، رہنے کی جگہ
ستون	–	کھمبا
عکس	–	سایہ، پرچھائیں، جھلک
سرنگوں	–	سر جھکانا
ازدحام	–	بھیڑ، مجمع
گشت	–	گھومنا، ٹہلنا
پانو جمانا	–	ثابت قدمی سے رہنا، مضبوطی کے ساتھ ڈٹنا
غارت	–	برباد
بندش	–	بندھن، گانٹھ، گرہ
شلوکہ	–	ایک قسم کا کُرتا

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

ششدر	-	حیران، بھونچکا
خودرَو	-	جو بغیر بوئے آپ اُگ آئے
خیارشنبر	-	املتاس
زیبائش	-	سجاوٹ، خوبصورتی
سکتہ	-	ایک بیماری جس میں انسان مُردے کی طرح بے حس وحرکت ہوجاتا ہے
جمِ غفیر	-	بہت بڑی بھیڑ
شعاعیں	-	کرنیں
نقرئی	-	چاندی کا، چاندی جیسا
گلِ ہزارہ	-	بہت سی پنکھڑیوں والا پھول، گیندا
گلِ صد برگ	-	گیندا، گیندے کا پھول
گلِ داؤدی	-	ایک قسم کا پھول، یہ زرد سفید ہوتا ہے
گلِ رعنا	-	ایک قسم کا عمدہ پھول جو اندر سے سُرخ اور باہر سے زرد ہوتا ہے۔ دورنگا پھول
گلِ آفتاب	-	سورج مکھی
گلِ جعفری	-	ایک قسم کا زرد پھول جو گیندے کے مشابہ ہوتا ہے۔
گلِ سوسن	-	ایک طرح کے آسمانی رنگ کا پھول
گلِ شب افروز	-	رات کو روشن کرنے والا، چاند، جگنو
تمرِ ہندی	-	املی کا درخت
نیلوفر	-	کنول
روِش	-	باغ کی پٹری، طور، طریقہ
نسترن	-	ایک قسم کا خوشبودار سفید گلاب
مولسری	-	ایک درخت جس کے پھول خوشبودار ہوتے ہیں
یاسمین	-	چنبیلی
آبنوس	-	ایک قسم کا درخت جس کی لکڑی بہت مضبوط اور سیاہ ہوتی ہے
صنوبر	-	چلغوزے کا درخت
کوہِ قاف	-	ایک پہاڑ جو ایشیائے کوچک کے شمال میں واقع ہے
کیتکی	-	ایک مشہور خوشبودار پودے کا نام جو کیوڑے کے درخت کی طرح ہوتا ہے

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

آپ نے پڑھا

- بادشاہ، شہزادہ، شہزادی، دیو، فقیر، نٹ اور نٹنی ــــ روایتی قصہ گوئی کے سارے لوازم طارق چھتاری نے اس افسانے میں شامل کر دیے ہیں۔ بچے کی کہانی سننے سے جو سلسلہ شروع ہوتا ہے، وہ افسانے کے آخر تک قائم رہتا ہے۔ بیچ بیچ میں کچھ ذیلی قصے آتے ہیں اور قصے میں دل چسپی بڑھانے کے ساتھ ساتھ معنویت میں اضافہ کرتے ہوئے اصل قصے میں شامل ہو جاتے ہیں۔
- ''باغ کا دروازہ'' علامتی انداز کی کہانی ہے۔ باغ کو اگر آبادی یا ملک کے طور پر سمجھا جائے تو اس کہانی کی معنوی دنیا بے حد وسیع ہو جاتی ہے۔ کسی باغ، ملک یا قوم کی تعمیر و تشکیل کے مشکل اور صبر آزما کام کی بھی اس کہانی میں تفصیل موجود ہے اور عاقبت نا اندیش لوگوں کی کوتاہی سے ہرا بھرا چمن کیسے بدنما اور ویران ہو جاتا ہے، اس کے بارے میں بھی اس کہانی میں واضح اشارے موجود ہیں۔
- اس کہانی کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں معنی کی سطح سادہ اور پیچیدہ دونوں ہے۔ آپ اگر چاہیں تو اسے آسانی سے ایک پرانے زمانے کے باغ کی کہانی سمجھ سکتے ہیں اور اسی طور پر اس سے لطف حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن غور کرنے پر جب معنی کی دوسری پرتیں ابھرتی ہیں تو اس تخلیق کی دنیا بدل جاتی ہے۔ جس طرح اچھے شعر کے کئی مفاہیم ہوتے ہیں اسی طرح اچھی کہانی بھی بار بار پڑھتے ہوئے ہمیں نئے مطالب سے آشنا کراتی ہے۔

کچھ اور باتیں

- اس کہانی میں کئی کردار ہیں۔ چھوٹے چھوٹے مختلف قصے بھی ہیں۔ لیکن باغ کی تعمیر اور باغ کے اجڑنے کی داستان وہ محور ہے جہاں ہمارا ذہن ہر وقت اٹکا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کہانی میں ارتکاز یا وحدت تاثر قائم ہوا ہے۔ افسانے کی یہ لازمی شرط ہے کہ اس میں وحدت تاثر ہو اور تمام واقعات ایک مرکز کے اردگرد ہی بُنے جائیں۔
- کیا آپ نے طارق چھتاری کی زبان پر غور کیا؟ موقع محل کے اعتبار سے وہ بدل کر نئی رنگت میں ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ اس مختصر سی کہانی میں ان کے یہاں زبان اور اسلوب کے متعدد تجربے ہیں۔ اس افسانے میں بے شمار پھولوں کا تذکرہ ہے لیکن تمام درخت اور پھول تین سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں اور تین قوموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تمر ہندی، برگد، پیپل، املتاس، ناگ پھنی وغیرہ ہندی الاصل یعنی ہندستان کی علامت ہے۔ گلِ صنوبر، گلِ نیلوفر، گلِ شب افروز، گلِ رعنا وغیرہ عرب ایرانی تہذیب کو پیش کر رہے ہیں۔ کرسمس ٹری، پام ٹری، منی پلانٹ اور اریو کیریا یورپ اور انگلستان کی فضا قائم کرتے ہیں۔ اس طرح اس باغ یعنی ہندستان میں باہر سے آئی تین قومیں ہندو، مسلمان اور عیسائی پھولوں کی شکل میں موجود ہیں۔
- انھوں نے اس افسانے میں ''شعور کی رو'' تکنیک سے بھی کام لیا ہے۔ اردو میں قرۃ العین حیدر نے اپنے

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

ناول ''آگ کا دریا'' میں اور اس سے پہلے سجاد ظہیر نے ''لندن کی ایک رات'' میں اس تکنیک کو استعمال کیا تھا۔ ''شعور کی رو'' تکنیک کے استعمال کے دوران وقت کے تسلسل کو حسب ضرورت بدلنے کی اجازت ہوتی ہے۔ افسانے اور ناولوں میں ایسی تکنیک سے موضوعاتی اور زمانی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے تاثر میں اضافہ ہوتا ہے۔

- قدیم داستانوں کی زبان سے بھی طارق چھتاری واقف ہیں۔ اس لیے جب دیو اور بھوت یا شہزادی اور شہزادے کے واقعات لکھتے ہیں، اس وقت لگتا ہے کہ ہم 100 سو یا 200 دو سو برس پہلے کی زبان کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ داستانی نثر کی تجدید ان کی فنی مہارت کا ثبوت ہے۔

آپ بتائیے

1- طارق چھتاری کے افسانوی مجموعے کا نام کیا ہے؟

2- شہزادی گلشن آرا کو شادی کے موقعے سے اس کے باپ نے کیا دیا؟

3- شہزادہ گلریز کو دیو پر جیت حاصل ہونے کے بعد انعام کے طور پر دیو سے کیا ملا؟

4- شہزادی گلشن آرا کے حکم سے جس باغ کی تعمیر ہوئی، اس میں کتنے دروازے رکھے گئے؟

5- ''گلوب'' افسانہ کس نے لکھا؟

6- نٹ اور نٹنی کتنی دوری تک اُڑ پائے؟

7- باغ کس مقام پر تیار کرایا گیا؟

8- اس افسانے سے پندرہ پھولوں کے نام چن کر اپنی کاپی میں درج کیجیے؟

9- اس افسانے کے پانچ کرداروں کے نام لکھیے؟

مندرجہ ذیل سوالوں کے مناسب جواب منتخب کیجیے:

1- ذیل میں سے کون سی تصنیف طارق چھتاری کی ہے؟

(الف) باغ بہشت (ب) باغ و بہار (ج) باغ کا دروازہ (د) باغ نور

2- ''باغ کا دروازہ'' کا کس ادبی صنف سے تعلق ہے؟

(الف) داستان (ب) افسانہ (ج) قصیدہ (د) ناول

3- بادشاہ سلامت کے کتنے بیٹے تھے؟

(الف) چار (ب) پانچ (ج) تین (د) چھے

4- کتنے شہزادے شہر بدر کیے گئے تھے؟

(الف) تین (ب) چھ (ج) پانچ (د) چار

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

5- چھوٹے شہزادے کا کیا نام تھا؟

(الف) گل آفتاب (ب) گل رعنا (ج) گل ریز (د) گل صنوبر

6- نقلی پَر لگا کر کون اُڑے؟

(الف) شہزادہ اور شہزادی (ب) نٹ اور نٹنی (ج) فقیر اور فقیرنی (د) بادشاہ اور ملکہ

7- اس کہانی میں پنکھے کس چیز سے تیار کیے جاتے تھے؟

(الف) دھاگا (ب) گھاس پات (ج) پرندوں کے پر (د) کپڑے

8- شہزادی گلشن آرا نے کس چیز کے لیے حکم جاری کیا؟

(الف) کاشتکاری (ب) باغ (ج) پودا (د) دروازہ

(I) اور (II) کے صحیح جوڑے ملائیے

(I)	(II)
(الف) ایک لحیم شحیم دیو باغ کی	(۱) آدھی بادشاہت دینے کا وعدہ ہے۔
(ب) جس میں دنیا بھر کے نایاب و نادر پھول	(۲) سے چن دیے گئے تھے۔
(ج) دور دور تک	(۳) فصیل لانگ کر داخل ہوتا ہے۔
(د) اس کے تمام دروازے پتھروں	(۴) طرح طرح کے پھول اور پھل اور بے شمار خوبصورت درخت ہیں۔
(ر) پہرے کی کامیابی پر	(۵) اس گل کدے کی شہرت تھی۔

مندرجہ ذیل لفظوں کے مترادف بتائیے۔

گل - آفتاب - نایاب - گلشن - پدر - شب - سحر -

اس افسانے میں

"گرمیوں کی تاروں بھری رات نے گھر کے بڑے آنگن کو شبنم کے چھڑکاو سے ٹھنڈا کر دیا تھا۔" اس جملے سے "باغ کا دروازہ" افسانہ شروع ہوتا ہے۔ عام طور سے افسانے کی ابتدا کے جملے ماحول سازی کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ طارق چھتاری نے اس افسانے میں ماحول سازی کے لیے صرف ایک جملہ استعمال کیا ہے۔ یہ جملہ منظر نگاری سے بھی متعلق ہے۔ آپ پانچ جملوں میں مذکورہ جملے کی تشریح کیجیے۔

"نہیں جان پدر، شرط مشکل ہے اور تو عزیز۔ اگر تیرا پہرہ بھی ناکام ہوا تو اس وطن کے آخری ستارے کو بھی شہر بدر ہونا پڑے گا۔ شہر خالی ہو چکا ہے۔ تیرے پانچوں بھائی بھی میری آنکھوں کو ویران کر گئے ہیں۔"

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

اس اقتباس کی سیاق وسباق کے ساتھ تشریح کیجیے اور طارق چھتاری کی زبان کی خصوصیات بیان کیجیے۔

- ''اس کے چہرے سے دانش وری کی شعاعیں پھوٹنے لگیں اور باغ کی فصیل پر ایک تحریر ابھر آئی۔ نوروز کے ذہن کے تار جھنجھنانے لگے۔ آسمان کی جانب نظریں اٹھائیں تو دیکھا کہ ایک پریوں کی شہزادی، ماتھے پر نقرئی تاج، ہاتھ میں قدیم ساز، ہنس پر سوار، باغ کے دروازے کے بہت قریب سے گزر رہی ہے۔''

اس عبارت کو غور سے پڑھتے ہوئے 100 لفظوں میں اس کا مفہوم لکھیے۔

- اس افسانے میں مختلف اقسام کے پھل، پھول اور پیڑ پودوں کے حوالے سے تہذیبی اور ثقافتی پس منظر ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس بات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے افسانے کا مطالعہ کیجیے اور ایک ایک اقتباس منتخب کیجیے جس میں الگ الگ تہذیبی اور ثقافتی عناصر نمایاں ہو جائیں۔
- اس افسانے سے ایسے واقعات اور اشارے جمع کیجیے جن سے پتا چل سکے کہ یہ افسانہ ہمارے ملک ہندستان کی تاریخ اور تہذیب کی ہی کہانی ہے۔
- باغ کی تعمیر اور زوال کے واقعات افسانے سے چن کر جمع کیجیے اور تبصرہ کیجیے۔

تفصیلی گفتگو

1- شہزادہ گل ریز نے باغ کی نگہبانی کیسے کی؟
2- شہزادی گلشن آرا کی مشکل شرط کو کس نے حل کیا اور کس طرح؟
3- ''باغ کا دروازہ'' میں افسانہ نگار نے کن کن ملکوں کے پھولوں کا تذکرہ کیا ہے؟
4- شہزادی گلشن آرا نے کیا حکم جاری کیا اور اس کی تعمیل کیسے ہوئی؟
5- ''باغ کا دروازہ'' علامتی افسانہ کیسے ہے؟
6- ''باغ کا دروازہ'' میں کس باغ کے بسنے اور اجڑنے کا تذکرہ ہے؟
7- شہزادہ گل ریز نے شہزادی گلشن آرا کو کیسے حاصل کیا؟

آیئے، کچھ کریں

1- ایک باغ کی تصویر بنایئے اور اس کو شاداب رکھنے کی ترکیب دکھایئے۔
2- ہمارا ملک ایک باغ ہے۔ اس میں رہنے والے لوگ مختلف قسم کے پھول ہیں۔ ایک کہانی کے ذریعہ اس کے اتحاد کی نشان دہی کیجیے۔
3- ہندستان کا نقشہ بنایئے اور مختلف رنگوں سے یہ واضح کیجیے کہ یہاں مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے افراد ایک ساتھ رہتے ہیں۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

غزال ضیغم

غزال ضیغم اتر پردیش کے ضلع سلطان پور کے ایک گانو "باہر پور" میں 17 دسمبر 1968ء کو پیدا ہوئیں۔ الہ آباد یونی ورسٹی سے علم نباتات میں ایم۔ ایس سی۔ کیا۔ قانون کی ڈگری اور اردو زبان وادب میں ایم۔ اے۔ کے ساتھ ہی انھوں نے فلم اور ٹیلی ویژن انسٹی ٹیوٹ، پونا سے فلم اپری سی ایشن کورس مکمل کیا۔ ہندی رسالہ "منورما" (الہ آباد) کی سب ایڈیٹر اور آل انڈیا ریڈیو میں کیزوَل اناؤنسر رہیں۔ افسانے اور ڈرامے لکھنا، انھیں اسٹیج کرنا اور آبی رنگوں سے تصویریں بنانے کے ساتھ غزال ضیغم نے اپنی تخلیقی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ محکمۂ اطلاعات ورابطۂ عامّہ، اتر پردیش، لکھنؤ میں فلم پروڈیوسر کے عہدے پر فائز ہیں۔ انھوں نے متعدّد ڈاکیومنٹری فلمیں بھی بنائی ہیں۔

محترمہ غزال ضیغم نے اپنے گھر کے ادبی ماحول سے متاثر ہوکر لکھنا شروع کیا۔ ان کے افسانوں میں کرداروں کی نفسیات کے ساتھ ساتھ اخلاقی، معاشرتی اور معاشی زندگی کے اکثر وبیش تر گوشوں کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ ان کے مشاہدے میں گہرائی اور بے باکی ہے۔ ان کے بعض افسانوں میں عورتوں کی نفسیات، بالخصوص بدلتی ہوئی دنیا میں خواتین کے نئے رول پر اُن کے خیالات توجہ طلب ہیں۔ "سوریہ ونشی۔ چندرونشی"، "بھولے بسرے لوگ"، "نیک پروین"، "چراغِ خانۂ درویش"، "گنبد تیز گرد نیلی فام" اور "مدھوبن میں رادھیکا" ان کے قابلِ ذکر افسانے ہیں۔ "ایک ٹکڑا دھوپ کا" (۲۰۰۲ء) ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے۔ امرتا پریتم کی کتاب "ایک تھی سارا" کا انھوں نے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی اور مراٹھی میں بھی ان کی تخلیقات شائع ہوئی ہیں۔

مابعدِ جدید عہد میں اردو کے تانیثی منظر نامے پر جن افسانہ نگاروں کو سنجیدگی سے پڑھا جا رہا ہے، ان میں غزال ضیغم کی خاص اہمیت ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں یادوں میں لپٹی ہوئی ایک نیم شاعرانہ زبان خلق کرنے کی کوشش کی ہے۔ واقعات کی تفصیل میں وہ الفاظ اور جملوں سے زیادہ اشارات سے کام لیتی ہیں۔ رنگوں کا اس قدر واضح شعور بہت کم افسانہ نگاروں کے حصّے میں آیا ہے۔ جاگیردارانہ تہذیب کے ڈھلتے سورج پر اکثر ان کے یہاں مشاہدات درج ہوتے ہیں۔ بعض عجیب الخلقت کرداروں کی تخلیق اور انھیں وضاحت کے ساتھ پیش کرنا غزال ضیغم کا مخصوص فنی طریقۂ کار ہے۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

غزال ضیغم

مختصر افسانہ

خوشبو

شاید تم کو یقین نہ آئے کہ مجھے دھوئیں میں خوشبو محسوس ہوتی ہے، ایک عجیب سی خوشبو۔ دھوئیں سے کبھی کبھی ایک تلخ سی کسیلی خوشبو آتی ہے اور کبھی کبھی بے حد نرم سی خوشبو...... روٹیوں کی مہک لیے ہوئے۔

ہمارے گھر میں کھانا لکڑی والے چولہے پر پکتا تھا۔ لکڑیاں جلا کر میری بڑی بہن چپاتیاں پکاتی تھی اور میں اکڑوں چولہے کے آگے بیٹھ کر دھوئیں کی خوشبو اور انگاروں سے باتیں کرتا تھا۔ اکثر بے خودی کے عالم میں ہاتھوں کو آگے پھیلا لیا کرتا تھا۔ میری بہن کی روٹی پھٹ جاتی تھی اور وہ جھنجھلا کر مجھے ڈانٹتی تھی۔ ''پیچھے ہٹ۔ بیوقوف۔ میری چپاتی خراب کر دی۔''

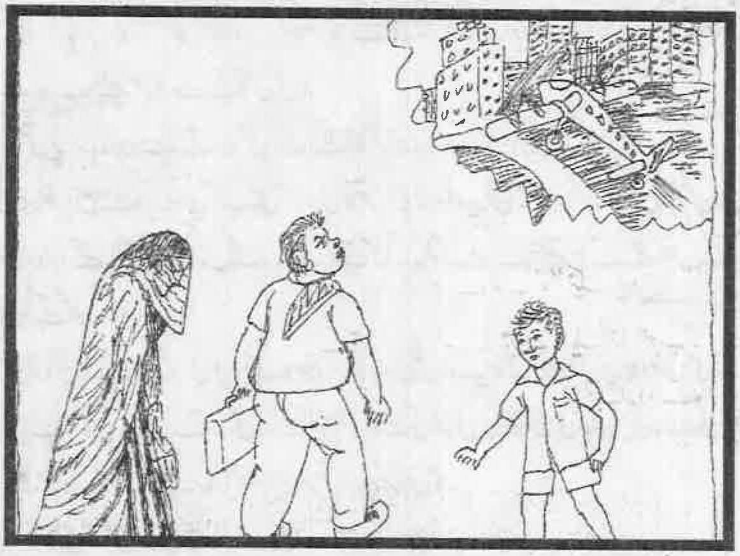

اب میری بہن لندن میں ہے۔ وہاں بند ڈبّوں کا کھانا خود کھاتی ہوگی، اپنے شوہر و بچّوں کو کھلاتی ہوگی۔ میں ہوٹل پر......ڈبل روٹی پر جی رہا ہوں۔ لیکن جہاں کہیں بھی دھوئیں کی لکیر شام کو یا صبح کے دھند لکے میں اٹھتی دیکھتا ہوں، یہی محسوس کرتا ہوں کہ یہ خوشبودار دُھواں روٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو لیے ہوئے ہے۔

مجھے پتیوں سے ہری ہری خوشبو آتی ہے، دھان کے کھیت سے دھانی دھانی خوشبو۔ مجھے خود حیرت ہے کہ مجھے خوشبو کا رنگ کیسے محسوس ہو جاتا ہے؟ ہلکی ہلکی شروع کی سردیوں میں مجھے گلابی گلابی خوشبو آتی ہے اور یہ موسم مجھے بے حد پسند ہے۔ جب میں اپنی بہن کے ہاتھوں کا بنا ہوا پل اوور پہن کر کشادہ سڑکوں پر یوکلپٹس کے سایہ دار درختوں کے بیچ سے گزرتا ہوں اور جاڑوں

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

کی گلابی گلابی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔
میں صرف اپنی بہن کے ہاتھوں کے بنے ہوئے سوئیٹر پہنتا ہوں۔ نہ بازار کے نہ ہی کسی اور کے ہاتھ کے۔ کیونکہ اس کے ایک ایک پھندے میں میرے لیے ممتا کی خوشبو رچی بسی ہوتی ہے۔
میری امّاں مجھے جنم دیتے ہی گزر گئی۔ مجھے میری بہن نے اپنے بچّے کی طرح پالا پوسا۔ حالاں کہ وہ مجھ سے صرف آٹھ سال ہی بڑی ہے لیکن مجھ سے بزرگوں جیسا برتاو رکھتی ہے۔ وہ مجھے آج بھی بچّہ سمجھتی ہے۔ جب کہ میں اٹھائیس سال کا اچھا خاصہ میچور لڑکا ہوں۔ ایک فرم میں اکاؤنٹ سیکشن میں کام بھی کر رہا ہوں۔
جب اس کی شادی ہوئی تو میں چھوٹا ہی تھا اور اس کی شادی سے میں بہت خوش تھا کہ وہ چلی جائے گی تو گھر میں مجھے ڈانٹنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ پاپا مجھے کبھی نہیں ڈانٹتے تھے اور میں اپنی من مرضی کروں گا۔ دوپہر میں باغ میں جا کر آم توڑوں گا۔ دن بھر گھوموں گا۔ تالاب میں پتھر پھینکوں گا۔ نوکروں کے بچّوں پر ہاتھ آزماؤں گا۔ کتابیں سب چھپا دوں گا اور ماسٹر جی کو بھگا دوں گا۔ آ......ہا......ہا......ہا......او......ہو......ہو......ہو...... کتنا مزہ آئے گا۔ میں کتنا آزاد ہوں گا۔ وقت پر کھانا کھاؤ۔ وقت پر سوؤ۔ اٹھو۔ پڑھو۔ وہ ہر وقت میرے پیچھے حکم کا حقّہ لیے چلتی تھی۔
اس کی رخصتی پر سب رو رہے تھے، وہ بھی مجھے گلے لگا کر خوب روئی لیکن میری آنکھیں نم نہ ہوئیں۔ میں سوچ رہا تھا کب اس کی سجی ہوئی کار نظروں سے دور ہو اور کب میں آزادی کا نعرہ لگاتا ہوا میدان میں بھاگ جاؤں اور من مانی کروں۔
اس کا موٹا دولہا مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جب کہ سب لوگ میرے پیچھے پڑے تھے، اس کے پاس جا کر بیٹھو۔ وہ مجھے گھور رہا تھا، میں اسے گھور رہا تھا۔
میری بہن تو اتنی نازک سی، گوری سی، ایک دم جوہی کا پھول تھی اور یہ موٹا۔ مجھے اس پر بڑا غصہ بھی آرہا تھا کہ یہ میری بہن کو کیوں لے جا رہا ہے؟ لیکن لے جانے دو جی۔ مجھے کیا؟ ہر وقت کی غلامی سے تو میری جان بچی رہے گی۔ آرام سے خوب دیر تک سو کر صبح اٹھوں گا، نہاؤں گا بھی نہیں۔ سارا کام اپنی مرضی سے کروں گا۔
"ہوں...... بڑی آئیں وہاں کی۔"
اس کی کار دھواں اُگلتی ہوئی، پھولوں سے مہکتی گاؤں کی کچی سڑک پر ڈگمگاتی چلی جارہی تھی۔ میں باغ کی فصیل پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کار کے اوجھل ہوتے ہی میں نے آزادی کا نعرہ بلند کرنا چاہا۔ لیکن نعرے کی آواز میرے حلق میں پھنس گئی۔ نہ جانے کیسے میرا دل درد کی شدّت سے کراہ اُٹھا۔ اب میرا کون خیال رکھے گا؟ مجھے کون پیار کرے گا؟ کون صبح صبح لاڈ سے اُٹھائے گا؟ سالگرہ کے دن کون میری پیشانی چومے گا؟ اپنے ہاتھوں سے کون نوالے بنا بنا کر کھلائے گا؟ یکا یک میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آنسوؤں کا سیلاب سا آ گیا۔ میری قمیص کی دونوں آستینیں بھیگ گئیں۔ میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں گھر میں واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہاں میرا کوئی بھی انتظار نہیں کر رہا ہوگا۔ خالی دروازہ میرا استقبال کرے گا۔ کسی کی دو بڑی بڑی روشن آنکھیں، چلمن سے جھانک جھانک کر میرا بے چینی سے انتظار نہیں کر

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

رہی ہوں گی۔ پاپا کے کمرے میں مؤکل ہوں گے۔ وہ مقدمہ سلجھا رہے ہوں گے۔ ان کو کیا فکر، لڑکا مرے یا جیے۔

تبھی میرا پرانا نوکر علی شیر مجھے ڈھونڈتا ہوا آ گیا اور مجھے زبردستی گھر لے گیا۔ میں کمرے میں چپ چاپ پڑا رہا۔ میرے دوست مجھے کھیلنے کے لیے بلانے آئے لیکن میرا دل نہیں چاہا۔ دوپہر میں آم توڑنے بھی نہیں گیا۔ نوکر کھانا لا کر کمرے میں رکھ گیا، میں نے نہیں کھایا۔ میں روتے روتے سو گیا۔ اٹھا تو شام ہو چکی تھی۔ میرا دماغ بوجھل تھا، کچھ کرنے کو طبیعت نہیں ہو رہی تھی۔ خالی بیٹھے بیٹھے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ جھک مار کر میں نے کورس کی کتاب اٹھائی، پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ کان میں کوئی پھسپھسایا۔ ''دل لگا کر پڑھو، امتحان میں اچھے نمبر لانا۔''

''کون ہے بھئی؟'' گھبرا کے کمرے میں دیکھا، میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔ تو یہ بولا کون؟ کیا تم ہر جگہ ہو؟ کیا آوازیں بازگشت میں رہ جاتی ہیں؟

صبح میرا ارادہ دیر تک سونے کا تھا۔ لیکن پانچ بجے ہی تمھاری آواز نے مجھے اٹھا دیا...... ''اٹھو دیر تک سونا اچھی عادت نہیں ہے۔'' میں مجبوراً اُٹھ بیٹھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ تم کہیں نہیں تھیں۔ یعنی تم میرا پیچھا کبھی چھوڑو گی نہیں۔ چاہے تم یہاں ہو یا نہ ہو، تم ہمیشہ میرے وجود میں ایک خوشبو کی طرح بسی رہو گی۔ جیسا تم چاہتی تھیں میں سارے کام ویسے ہی کرتا تھا۔ تمھاری غیر موجودگی میں بھی۔ میری سالگرہ کے دن بھی تم نے میری پیشانی چوم کر اُٹھایا تھا...... ''سالگرہ مبارک ہو۔''

''ارے...... تم کب آئیں؟'' میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

لیکن تم کہیں نہیں تھیں۔ تو پھر میری پیشانی کس نے چومی؟ ایک دم تمھاری طرح، لیکن کمرہ ہمیشہ کی طرح خالی تھا۔

شام کی ڈاک سے تمھارا پارسل ملا۔ تم نے مجھے زرد رنگ کا پل اوور بھیجا تھا۔ اچھا، تو تم کو یاد تھا کہ مجھے زرد رنگ بے حد پسند ہے۔ اس دن میں ببول کے درخت کے پاس گھنٹوں بیٹھا رہا۔ درخت اپنی بہار پر تھا۔ زرد زرد پھولوں سے ڈھکا ہوا ببول۔ میں پھول توڑتا تھا، تم اپنے کان کی لو میں پھول پہن لیتی تھیں۔ ایک دن تم نے یہ شعر بھی پڑھا تھا:

جنوں پسند مجھے چھانو ہے ببولوں کی

عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی

تمھارے کہنے کے مطابق میں پڑھ لکھ کر انسان بن گیا۔ نوکری بھی مل گئی۔ پھر میں پیسے جوڑ کر تم سے ملنے لندن بھی آ گیا۔ تمھارے لیے کچھ لا نہیں سکا تھا، میں تمام دن دلّی کے پالیکا بازار میں گھومتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تمھارے لیے کیا خریدوں؟

تھک کر اپنے کمرے پر لوٹ آیا تھا۔ کمرے میں میری نظر پڑی ایک پاؤڈر کے پرانے ڈبے پر۔ مجھے یاد آیا کہ میں بچپن میں پاؤڈر کے پرانے ڈبے میں شیشے لگا کر تمھاری ٹوٹی چوڑیوں کے ٹکڑے ڈال کر ایک کھلونا بناتا تھا، جس کو ہلانے پر چوڑیوں کے رنگین ٹکڑوں کے مختلف زاویے بنتے تھے۔ وہ تم کو بیحد پسند تھا۔ لیکن میں تم کو وہ کھلونا کبھی نہیں دیتا تھا۔ تمھارے لاکھ اصرار پر بھی نہیں بناتا تھا۔

میں نے بازار جا کر چند رنگین چوڑیاں لیں۔ ان کو توڑ کر تمھارے لیے یہ ایک حقیر ساتحفہ تیار کیا۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

تمھارے گھر پہنچ کر مجھے فوراً یہ احساس ہو گیا کہ تمھارے علاوہ میرے آنے سے کوئی خوش نہیں ہوا تھا۔ خیر...... مجھے امید بھی یہی تھی۔ حالانکہ تم بار بار یہی کوشش کر رہی تھیں کہ سبھی لوگ تمھارے بھائی کو تمھاری ہی طرح اہمیت دیں۔

کھلونا پا کر تم رو پڑی تھیں۔ لگتا تھا تمھارے سارے زخم پھر ہرے ہو گئے ہوں۔ گاؤں کی یادوں میں تم ڈوب گئی تھیں۔

''ببول کا پیڑ پچھواڑے ہے کہ نہیں؟''

''وہ کٹ گیا۔''

''ستروھن کی امّاں آتی ہے کہ نہیں؟''

وہ ہیضے میں کب کی مرگئی۔'' میں جھنجھلا گیا تھا۔ یہ بھی کہاں کہاں کی اوٹ پٹانگ باتیں پوچھتی ہے۔ لگتا ہی نہیں کہ لندن میں رہتی ہے۔

کھانا تم نے ہندستانی پکایا تھا۔ میری پسند کی مکھانے کی کھیر بھی پکائی تھی، لیکن تمھارے شوہر اور بچّوں نے چکھا بھی نہیں۔ ان لوگوں نے ڈبل روٹی اور سلاد کھائی۔ میں برسوں بعد تمھارے ہاتھوں کی پکی نرم، ملائم، نازک، ذائقے دار چپاتیوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

تم مجھ سے اب بھی بالکل بچّوں سا سلوک کرتی تھیں۔ صبح باقی بچّوں کے ساتھ مجھے اٹھا دیتیں۔ میرے کپڑے دھوتیں۔ پریس کرتیں۔ میرے جوتوں کی لیس بھی ایک دن تم نے باندھنے کی کوشش کی تھی۔

''ارے بھئی میں خود باندھ لوں گا، تم مجھے بچّہ مت سمجھا کرو پلیز۔''

''پپّو! تم کتنے بھی بڑے ہو جاؤ، میری نظر میں تو تم ہمیشہ بچّہ ہی رہو گے۔''

اس کی آنکھیں جھل مل ہو گئیں۔ میں نے جوتے کے لیس اس سے بندھوائے۔ بچپن میں میں لیس غلط باندھ لیتا تھا۔ کبھی الجھا لیتا تھا۔ اس لیے وہ باندھتی تھی۔

تمھارے بچّے ہنسے تھے۔ ''ماموں کو لیس بھی باندھنا نہیں آتا۔''

دوسرا بولا۔ ''گاؤں والے ہیں نا۔ اس لیے نہیں جانتے ہوں گے۔''

تم نے بڑے شوق سے ان کو وہ حقیر سا کھلونا دکھایا تھا جو تم کو بے حد عزیز تھا۔ لیکن تمھارے بچّوں نے اس کو حقارت سے دیکھ کر کہا تھا:

''کیا وہاں ایسے ہی بیکار اور گندے کھلونے بنتے ہیں؟''

''ترقی ہوئی کہاں ہے وہاں۔'' تمھاری لڑکی بولی تھی۔

میں چپ چاپ نرم صوفے پر دھنسا جا رہا تھا۔

تم چپ تھیں، شرمندہ تھیں۔ تمھارے شوہر طنزیہ مسکرا رہے تھے۔ ان کے موٹے موٹے بھدّے ہونٹوں پر مسکراہٹ

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

رینگ رہی تھی، لیکن میں......میں صرف تمھاری طرف دیکھ رہا تھا۔

کتنی کمزور ہوگئی تھیں تم۔ بالوں میں چاندی اتر آتی تھی۔ عام لندن والوں کی طرح تم بال ڈائی نہیں کرتی تھیں۔ حالاں کہ تمھارے شوہر کے بال ڈائی سے چمک رہے تھے۔

ببول کے پھولوں کی طرح تمھارا چہرہ زرد تھا اور میں اتنا مجبور تھا کہ تمھارے لیے کچھ کر نہیں سکتا تھا، چاہتے ہوئے بھی نہیں۔

میں نے تم سب سے اپنے دیش چلنے کو کہا تھا۔ تمھارے شوہر نے فوراً سوری کہہ دیا تھا۔'' ہم لوگ تو بغیر ایئر کنڈیشن کے زندہ ہی نہیں رہ سکتے ہیں، ایک پل بھی نہیں۔ بچّے بھی ان سہولتوں کے عادی ہیں۔ پھر گانو کی تکلیف دہ زندگی یہ لوگ برداشت نہیں کر پائیں گے۔ بیمار ہو جائیں گے۔''

''اچھا جاڑوں میں چلیے۔'' تم نے خود سفارش کی تھی۔

''کھیتوں میں ہمارے گنّا اور مونگ پھلیاں ہوں گی۔ بچّے بھی خوش ہوں گے۔''

تمھاری آنکھوں میں سرسوں کے کھیت ابھرنے لگے تھے۔ تم کنول کے تالابوں، مٹر کے پھولوں اور چنے کی تیز خوشبو سے ہو کر پھر لوٹ آئی تھیں۔

''جاڑوں میں ہم لوگ پیرس جا رہے ہیں کیوں؟'' تمھارے موٹے شوہر نے بچّوں سے کہا۔

''یس۔'' سب چلائے تھے۔

''میں باجی کو لیتا جاؤں؟'' میں نے جھجھکتے ہوئے پوچھا تھا۔

میری بہن کے چہرے پر کیسی حیرانی، خوشی، غم، حسرت، مسرّت کا ملا جلا جذبہ تھا جس کو بتانا مشکل ہے۔ لیکن تمھارے شوہر نے انکار کر دیا۔ اپنی بھاری بے سُری آواز میں فرمایا۔'' گھر کے کاموں میں پریشانی ہوگی۔''

تم ایک لفظ بھی نہیں بولی تھیں۔ اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ مجھے معلوم ہے تم اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے خوب روئی ہوگی۔ گھر کے سارے کام مشین سے ہوتے ہیں اور اب تو بچّے بھی بڑے ہو گئے ہیں۔ خود بھی کچھ نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن میں کچھ کہہ نہیں پایا۔

کھانے کی میز پر جب تم آئیں تو تمھارے ہاتھوں میں لرزش سی تھی اور آنکھوں میں ہلکی سرخی جو تمھارے غم کا ثبوت تھی۔

دوسرے دن مجھے وطن واپس آنا تھا۔ تم زندگی میں پہلی بار میرے شانے پر سر رکھ کر رات بھر روتی رہی تھیں کیوں کہ اس کے علاوہ تم کچھ کر بھی تو نہیں سکتی تھیں۔ کتنی مجبور تھیں تم اور میں......

کیا کرتا میں بھی۔ تم بتاؤ؟ میں نے کہا تھا۔'' تم میرے ساتھ چلو اپنے گانو، اپنے دیش۔ چلو تم، میں تم کو لے چلتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کون تمھارے بھائی کو روک سکتا ہے۔''

''نہیں بھیا۔ نہیں پپّو......'وہ' ناراض ہو جائیں گے۔''

'وہ' کم بخت 'وہ'......تم کو اپنے 'وہ' کا اتنا ہی خیال ہے۔ ان کی مرضی کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتیں تو بھول جاؤ ہم

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

سب کو، ہم دیہاتی ہیں، جاہل ہیں، غریب ہیں۔ بھول جاؤ اپنے گھر کو، اپنے کھیتوں کو، اپنے لوگوں کو، کھو جاؤ یہاں کی رنگین فضا میں، ڈوب جاؤ مستیوں میں، بے ہنگم موسیقی میں، بے معنی زندگی میں۔ جہاں سب کچھ صرف پیسہ ہے۔ انسانی جذبات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ کیوں جُوہی ہو تم ابھی تک اپنی قدروں سے؟''

''میری جڑیں تو وہیں ہیں بھیا...... میرا وجود بھی وہیں ہے، میری روح بھی وہیں ہے، صرف میرا جسم ہی تو یہاں آگیا ہے...... میں کیسے تم سب کو بھول سکتی ہوں؟''

مجھے اپنے سینے سے لگایا تھا تم نے، میں ایک بچّہ بن کر کاش تمھارے پاس تمام عمر رہ سکتا، کاش یہ لمحہ کبھی ختم نہ ہوتا۔ میں یوں ہی تمھاری آغوش میں سر رکھے رکھے مر جاتا۔

لیکن ایسا نہیں ہوا۔ صبح سورج نکل آیا۔ بلا وجہ ہی میں چاہتا تو اور چھٹی لے کر رُک سکتا تھا، لیکن تمھارے شوہر کے چہرے پر میرے رہنے سے نفرت کا جو جذبہ اُبھرتا تھا، وہ چاہے خود نہ پڑھ سکتا ہو لیکن ایک عام ہندستانی ضرور پڑھ سکتا تھا کیوں کہ ہندستان صرف دلوں کا دیش ہے، جذبوں کا دیش ہے، محبت کا دیش ہے، خلوص کا دیش ہے۔

رات میں کئی بار میرے دل میں خیال آیا کہ میں تمھارے 'وہ' کی موٹی گردن اپنے مضبوط توانا ہاتھوں سے دبا دوں، جب نیلی موٹی موٹی رگیں اُبھر آئیں تو چھوڑ دوں اور تم کو ہندستان لے جاؤں۔ خود چاہے تمام عمر جیل میں رہوں، کم از کم اس فرعون سے دنیا تو پاک ہوگی۔

لیکن تمھیں بیوہ کیسے دیکھ سکوں گا؟ تم رنگین کے بجائے سفید ساڑی پہنوگی۔ تمھارے کانوں میں ببول کے پھول کی طرح زرد کرن پھول ہیں جو اماّں کے جہیز کے ہیں، ان کو اتارنا پڑے گا۔ رنگین چوڑیاں تم کو بچپن سے بے حد پسند ہیں۔ میلہ جاتے وقت تم ہمیشہ مجھ سے چوڑیوں کی فرمائش کرتی تھیں۔ ہر رنگ کی چوڑیاں تھیں تمھارے پاس۔ تمھارے خالی، سُونے ہاتھ کیسے لگیں گے؟...... نہیں...... نہیں...... میں تمھاری وجہ سے تمھارے 'وہ' یعنی فرعون کا خون نہیں کر رہا ہوں۔

ائیر پورٹ پر بھی وہ موٹا اینٹھا ہوا مجھے چھوڑنے نہیں آیا۔ اس کو وقت نہیں تھا۔ صرف تم آئی تھیں۔ یہی میں چاہتا بھی تھا۔ چلتے وقت تم نے میری پیشانی چوم لی۔ ہاتھ میں چپکے سے صدقے کے روپے تھما دیے۔

میں جا کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تم چلی گئی ہوگی۔ تم کپڑے دھو رہی ہوگی۔ کھانا پکا رہی ہوگی۔ تمھارے 'وہ' ٹی وی پر کوئی بلو فلم دیکھ رہے ہوں گے۔ تمھارے بچّے ریکارڈ لگا کر کسی افریقی دھُن پر ناچ رہے ہوں گے۔ تم میرے خیریت سے گھر پہنچنے کی دُعا کر رہی ہوگی۔

میں تمھاری یادوں کا خوشگوار بوجھ لے کر اپنی سرزمین پر آ گیا ہوں...... اور کھیتوں کو، گھر کو، ستر دھن کی اماّں کو، پاپا کو، کٹے ببول کے درخت کو تمھارا سلام...... تمھاری عقیدت و محبت پیش کر رہا ہوں۔

لفظ و معنی

غزال - نوجوان ہرن

ضیغم - کڑوا، بدذائقہ، شیر

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

بے خودی	-	بے ہوشی، حالتِ وجد، بے خبری کا عالم
شدّت	-	زور، غلبہ، تیزی، کثرت
چلمن	-	چق، تیلیوں کا بنا ہوا پردہ
مؤکل	-	وہ شخص جو وکیل مقرر کرے
بازگشت	-	واپسی، پھر کر آنا، لوٹنا، پیچھے رہنا
اصرار	-	تکرار، کسی امر میں بار بار تاکید، ضد کرنا
حقیر	-	چھوٹا، ادنا، دبلا، ذلیل، خوار
حقارت	-	سبکی، ذلت
حسرت	-	کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس
لرزش	-	رعشہ، کپکپی، تھرتھراہٹ
بے ہنگم	-	بے ڈول، بھونڈا، بے موقع

آپ نے پڑھا

- ''خوشبو'' غزال ضیغم کے افسانوی مجموعہ ''ایک ٹکڑا دھوپ کا'' سے لیا گیا افسانہ ہے۔ یہ افسانہ بھائی، بہن اور اپنے ملک کی محبت سے لبریز ہے۔ بھائی کی زبانی کہانی بیان کی گئی ہے۔ بچپن میں ماں کا انتقال ہو جاتا ہے۔ بڑی بہن صرف آٹھ سال بڑی ہے، چھوٹے بھائی کی پرورش کرتی ہے اور ممتا کے پھول نچھاور کرتی ہے۔ وہ اپنی بہن کی اس محبت اور شفقت کو فراموش نہیں کر پاتا۔ جیسے ہی وہ اپنے پانو پر کھڑا ہوتا ہے، وہ بہن سے ملنے لندن پہنچ جاتا ہے۔ وہاں جانے کے بعد اپنے پرائے اور دیس بدیس کا فرق اُسے اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے۔
- ''خوشبو'' میں رشتوں کی جذباتی گرفت کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ایک عورت کے اندر خاندان کی عزّت، بھائی سے محبت، شوہر سے وفاداری اور ماں کی ممتا جیسی ہزار خوبیاں پنہاں ہوتی ہیں۔ ''خوشبو'' میں اُن ذمّے داریوں کا احساس اور اسی کے پہلو بہ پہلو ازدواجی زندگی کی کشاکش کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ برتا گیا ہے۔
- اگر ''خوشبو'' لہو کے رشتے کی خوشبو سے گرم اور برقرار ہے تو دیگر خوشبوؤں کو بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ دھان کے کھیت کی دھانی دھانی خوشبو، پتّوں کی ہری ہری خوشبو، سردیوں میں گلابی گلابی خوشبو، دھواں کی تلخ سی کسیلی خوشبو، روٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو، سوئٹر میں ممتا کی خوشبو، بھائی کے وجود میں بہن کے پیار کی خوشبو، شوہر کے لیے وفا کی خوشبو، بچوں کے لیے شفقت کی خوشبو سدا برقرار ہے۔
- ''خوشبو'' میں افسانہ نگار نے مشرقی اور مغربی تہذیب کے تصادم کو بھی بہت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مادیت پسندی نے انسانی جذبات کو بے وقعت کر دیا ہے۔ رشتوں کی اہمیت کو پسِ پشت ڈال کر مغرب نے ہماری تہذیبی

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

زندگی کے وجود پر سوالیہ نشان قائم کر دیا ہے۔ افسانہ نگار نے اس مسئلے پر نہایت ہمدردانہ انداز میں غور کیا ہے۔

❑ غزال ضیغم موجودہ عہد میں اردو کی اہم خواتین افسانہ نگاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کی نگاہیں معاشرے میں فنا ہوتے جذبوں اور مٹتی ہوئیں اقدار پر مرکوز رہتی ہیں جنھیں وہ اپنے افسانوں میں بڑی سادگی اور خوبصورتی کے ساتھ اُجاگر کرتی ہیں۔

آپ بتائیے:

1- ''خوشبو'' افسانہ کس نے لکھا؟
2- کس افسانوی مجموعے سے ''خوشبو'' اخذ کیا گیا ہے؟
3- افسانے کی مصنفہ 'غزال ضیغم' کے نام کے کیا معنی ہیں؟
4- اس افسانے کا مرکزی کردار کون ہے؟
5- ستر وھن کی امّاں پپّو کے گھر کیوں نہیں آئی؟
6- بھائی، بہن سے عمر میں کتنے برس چھوٹا ہے؟
7- بہن کی شادی کہاں ہوئی؟
8- علی شیر سے پپّو کا کیا تعلق تھا؟
9- تحفہ خریدنے کے لیے پپّو کہاں دن بھر گھومتا رہا؟
10- بھائی، بہن کو کیا تحفہ دیتا ہے؟
11- سالگرہ کے دن کسے پارسل موصول ہوا؟
12- پل اوور کا رنگ کیسا تھا؟
13- اس افسانے میں کن کن ملکوں کے کھانے کا تذکرہ ہے؟
14- افسانہ ''خوشبو'' میں کن کن خوشبوؤں کا ذکر ملتا ہے؟

صحیح جوڑے ملائیے۔

(الف) شام کی ڈاک سے	(۱) عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی
(ب) کمرے میں میری نظر پڑی	(۲) تمھارا چہرہ زرد تھا
(ج) جنوں پسند مجھے چھانو ہے ببولوں کی	(۳) زندہ ہی نہیں رہ سکتے ہیں
(د) ہم لوگ تو بغیر ایر کنڈیشن کے	(۴) تمھارا پارسل ملا
(ر) ببول کے پھولوں کی طرح	(۵) ایک پاوڈر کے پرانے ڈبے پر

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

مختصر گفتگو

1- افسانہ ''خوشبو'' میں کس طرح کی کہانی پیش کی گئی ہے؟
2- بچّہ اپنی آزادی کا متلاشی کیوں تھا؟
3- افسانہ ''خوشبو'' میں کس کی محبت کو اُجاگر کیا گیا ہے اور کیوں؟
4- بہن کی شادی کی خبر سُن کر بھائی کیوں خوش ہوا؟
5- لندن میں بھائی کے ساتھ گھر والوں کا رویہ کیسا تھا؟
6- اس افسانے کا نام ''خوشبو'' کیوں رکھا گیا؟
7- بہن اپنے بھائی سے ملنے پر ویسے سوالات کیوں کرتی ہے جن سے پپّو جھنجھلا اٹھتا ہے؟
8- پرانے ڈبّے سے بنے کھلونے میں ایسا کیا ہے کہ بھائی اسے دوسری تمام چیزوں پر فوقیت دیتا ہے اور اِسے اپنی بہن کے لیے بہ طور تحفہ لے جاتا ہے؟
9- پپّو کی بہن اور اُس کے گھر کے دوسرے تمام افراد کے خیالات میں تضاد کیوں ہے؟
10- ''خوشبو' افسانے کے عنوان سے آپ کس حد تک متفق ہیں؟

تفصیلی گفتگو

1- افسانہ سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2- افسانہ کے فن سے بحث کرتے ہوئے 'خوشبو' کا جائزہ لیجیے؟
3- ''خوشبو' افسانے کے سماجی پہلوؤں پر گفتگو کریں؟
4- مشرقی اور مغربی تہذیب کے فرق کو اس افسانے کے حوالے سے واضح کریں؟

آیئے، کچھ کریں

1- اس افسانے میں کن کن خوشبوؤں کا ذکر آیا ہے؟ ان کی فہرست بنایئے۔
2- مغربی اور مشرقی ممالک کے کھانوں کی فہرست بنایئے۔
3- مصنّفہ نے اس افسانے کو بھائی کی زبان میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اس افسانے کو بہن کی زبان میں ادا کرنے کی کوشش کیجیے۔ حسب ضرورت آپ تبدیلیاں بھی لا سکتے ہیں لیکن مرکزی خیال مجروح نہیں ہونا چاہیے۔
4- اردو کی خواتین افسانہ نگاروں کی ایک فہرست تیار کیجیے اور عہد بہ عہد ارتقا کی صورتوں کو نشان زد کرنے کی کوشش کیجیے۔ اس کام کے لیے اردو ادب کی تاریخ سے متعلق کسی کتاب سے بھی استفادہ کیجیے۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

تکشی شِیو شنکر پلّے

ملیالی زبان کے معروف نثر نگار تکشی شِیو شنکر پلّے 17 اپریل 1912ء کو "اے پیی" کیرل کے ایک گانو "تکشی" میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گانو سے شروع کی۔ قانون کی ڈگری تری والارم سے حاصل کرنے کے بعد وہاں وکالت کرنے لگے۔ 10 اپریل 1999ء کو اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

اسکول کے ایک ٹیچر کے۔ کمار پلّے کے مشورے سے وہ نثر نگاری کی جانب مائل ہوئے۔ ان کی پہلی کہانی "نردھن" (ملیالی زبان میں "سادھوکل") 1929ء میں رسالہ "سروس" میں شائع ہوئی۔ اس وقت اُن کی عمر ۱۷ برس تھی۔ 1934ء میں "پرتی پھلم" کے نام سے ان کا پہلا ناول شائع ہوا۔ انھوں نے کل 32 ناول لکھے جن میں "چے مین" (1955ء)، "آ کشم" (1967ء)، "اینی پڈ پکل" (1964ء)، "دھرم ندھیو" (1970ء) اور "گیز" (1978ء) بہت مشہور ہیں۔ تین جلدوں میں انھوں نے اپنی خودنوشت بھی لکھی۔

تکشی شِیو شنکر پلّے کی بنیادی شہرت بلاشبہ ناول نویس کی حیثیت سے ہے لیکن انھوں نے اپنی ادبی زندگی کی ابتدا افسانہ نگاری سے کی تھی۔ ان کی پہلی مطبوعہ کتاب ان کے چند افسانوں کا مجموعہ "پوتھو ملار" ہے جو 1934ء میں شائع ہوا۔ تریوندرم (تروانت پورم) میں وکالت کی تعلیم کے دوران تکما بال کرشن پلّے کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے جو ملیالی زبان کے معتبر رسالے "کیسری" کے مدیر تھے اور ملیالی کے نوجوان ادیبوں کے مشیر بھی تھے۔ ان کی ابتدائی کہانیاں بھی اسی رسالے میں شائع ہوئیں جن میں "سیلاب" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

تکشی نے اپنے فن میں سادگی کو بنیادی اہمیت عطا کی اور ہماری عوامی زندگی کے مظاہر کو اپنے ادب میں بغیر کسی نقش ونگار کے اس طرح پیش کیا کہ ان کا فطری رنگ اُجاگر ہو جائے۔ فکشن کی تاریخ میں ایسے لوگ بڑی تعداد میں نہیں ہیں جنھوں نے انشا پردازی، تکنیکی سحر کاری اور فکر وفلسفہ کے دقیق مسئلوں میں الجھے بغیر کوئی بڑی تحریر پیش کر دی ہو۔ تکشی کی اصل بڑائی اس بات میں ہے کہ انھوں نے دیہی سماج کے جیتے جاگتے، سچّے اور بے رنگ چہروں کو اپنے افسانوں میں شامل کیا۔ ہندستان کی مختلف زبانوں میں تکشی کی کتابوں کے تراجم دستیاب ہیں۔

تکشی کی کہانیوں کے مرکزی کردار اکثر انجانے چہرے ہوتے ہیں۔ قصہ نویسی کے دوران وہ ان مقامات پر زیادہ توجہ دیتے ہیں جنھیں دوسرے لکھنے والے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ پریم چند کے اچھے خاصے اثرات ان پر ہیں اور 1948ء میں انھوں نے پریم چند کے ناول "نرملا" پر اپنے تاثرات شائع کرائے تھے۔ ملیالی زبان میں انھیں سب سے اہم فکشن نویس کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ 1956ء میں "چے مین" ناول پر ساہتیہ اکادمی کا انعام حاصل ہوا اور 1984ء میں بھارتیہ گیان پیٹھ نے انھیں مجموعی خدمات کے اعتراف میں اپنے انعام سے نوازا۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

تکشی شیو شنکر پلّے　　　ترجمہ (ملیالی کہانی)

سیلاب

گانو میں اونچی جگہ پر ایک مندر ہے۔ وہاں دیوتا گلے تک پانی میں ڈوبا کھڑا ہے۔ پانی، ہر جگہ پانی ہی پانی ہے۔ تمام گانو والے بسیرا ڈھونڈنے چلے گئے ہیں۔ جس کے گھر ناو ہے، اس کے یہاں گھر کی رکھوالی کے لیے ایک آدمی رہ گیا ہے۔ مندر کے تین کمروں والی چھت پر 67 بچّے تھے۔ تین سو چھپّن لوگ، کُتّا، بلّی، بکری اور مرغے جیسے پالتو جانور، سبھی مل جُل کر رہ رہے تھے۔ کوئی جھگڑا نہیں تھا۔

چنن کو پانی میں کھڑا ہوئے ایک رات اور ایک دن ہو گیا۔ اس کے پاس ناو نہیں ہے۔ اس کے جِجمان کو جان بچا کر کنارے پہنچے تین دن ہو گئے۔ جب پانی جھونپڑے میں داخل ہونے کو ہوا تو ٹہنیوں اور لٹھّوں سے تاک اور مچیا بنا لی تھی۔ یہ سوچ کر کہ پانی جلدی اُتر جائے گا، وہ دو دن تک اُسی پر بیٹھا رہا۔ اس کے علاوہ چار پانچ کیلے کا گچھّا اور پھوس کا انبار بھی تو تھا جس کی حفاظت اُسے کرنی تھی۔ اگر وہ وہاں سے چل دیا تو ساری چیزیں کوئی چالاک اُڑا لے جائے گا۔

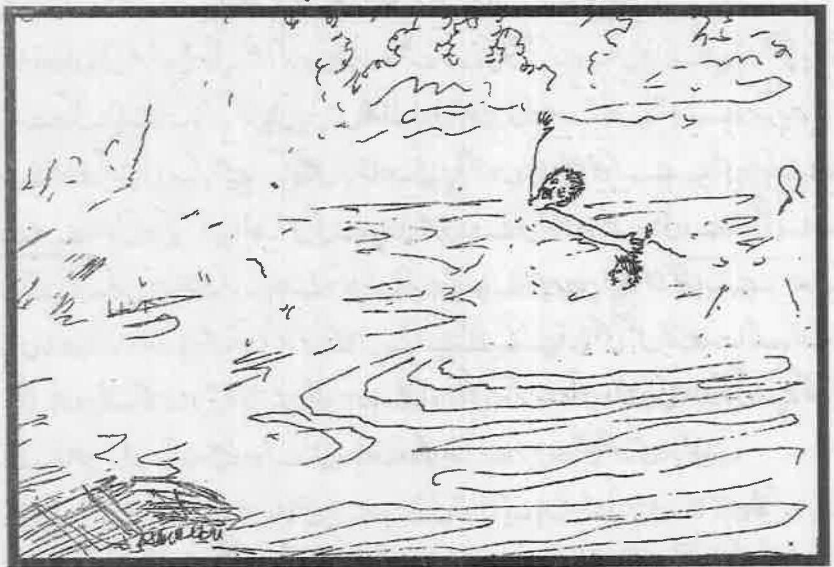

اب تو تاک اور مچیا پر بھی گھٹنا بھر پانی ہے۔ چھپّر چھانے والے ناریل کے پتّوں کی دو قطاریں پانی کے نیچے ہیں۔ اندر سے چنن چلّایا، لیکن سُنے گا کون؟ پاس ہے کون؟ حاملہ بیوی، چار بچّے، ایک بلّی اور ایک کُتّا.......اتنے ذی حیات اُسی کے بھروسے ہیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ جھونپڑے کے اندر سے پانی نکلنے میں تیس گھنٹے سے کم نہیں لگیں گے۔ اب تو اپنا اور کنبے کا خاتمہ سر پر ہے۔ موسلا دھار بارش تین دنوں سے لگاتار ہو رہی ہے۔ جھونپڑے کے اوپر سے ناریل کے پتّے ہٹا کر چنن کسی طرح باہر آیا۔ شمال کی طرف بڑی ناو جا رہی تھی۔ اس نے زور لگا کر ناو والوں کو پُکارا۔ ناو والے، خوش قسمتی سے وہ بات سمجھ گئے۔ انھوں نے ناو جھونپڑے کی طرف موڑ دی۔ چنن

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

اپنے بچّوں، بیوی، کُتّے اور بلّی کو ایک ایک کر کے چھپّر سے باہر لے آیا۔ تب تک ناو بھی آ گئی۔

بچّے ناو پر چڑھنے لگے۔ "چھنن بھائی، سنو ذرا!" مغرب کی طرف سے کوئی بُلا رہا تھا۔ چھنن نے مڑ کر دیکھا۔ "اِدھر آؤ!!" وہ کُنجپ پَن تھا۔ اپنی مچان پر سے بُلا رہا تھا۔ چھنن نے بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اسے ناو پر بٹھایا۔ اُسی تاک میں بلّی بھی ناو پر چڑھ گئی۔ کسی کو کُتّا یاد نہیں آیا۔ وہ جھونپڑے کے پچھلے حصّے میں اِدھر اُدھر کچھ سونگھتا چل رہا تھا۔

ناو چل پڑی۔ کُتّا چھپّر پر لوٹ آیا۔ تب تک چھنن کی ناو دور جا چکی تھی۔ وہ جیسے اُڑ رہی تھی۔ کُتّا دل سوز تکلیف سے کِکیانے لگا۔ بے سہارا آدمی کی طرح اُس نے آواز دی۔ کون تھا اُسے سُننے کو؟ جھونپڑے کے چاروں طرف وہ گھوما۔ کہیں کہیں سونگھا اور پھر کِکیانے لگا۔

ایک مینڈک آرام سے مچان پر آ بیٹھا تھا۔ یہ غیر متوقّع شور و غل سُن کر وہ ڈر گیا اور کتّے کے سامنے سے پانی میں کود پڑا، دھم.... کُتّا ڈر کر کانپنے لگا اور پیچھے اُچک کر پانی کو دیکھتا رہا، پانی ہل رہا تھا۔

شاید کھانا کھوج رہا ہوگا۔ کُتّا اِدھر اُدھر سونگھنے لگا۔ کوئی مینڈک اس کی ناک میں پیشاب کر کے پانی میں کود گیا۔ کُتّے کو بے چینی میں چھینکیں آنے لگیں۔ وہ سر ہلا ہلا کر چھینکا۔ پھر آگے کے پیر سے اس نے منھ پونچھ لیے۔

موسلا دھار بارش پھر شروع ہوگئی۔ کُتّا اُکڑوں بیٹھ کر برداشت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کا مالک 'اَنپ لَپّشا' پہنچ چکا تھا۔

رات ہوگئی۔ ایک خوف ناک گھڑیال پانی میں نصف ڈوبی جھونپڑی کو چھوتے ہوئے آہستہ سے بہہ گیا۔ کُتّا خوف سے دُم ہلاتے ہوئے بھونکا۔ گھڑیال بہہ گیا جیسے وہ کچھ نہیں جانتا ہو۔ مچان پر اُکڑوں بیٹھا کُتّا بھوک سے بے چین ہو کر کالے بادلوں اور اندھیرے سے بھرے ماحول کو دیکھ کر کِکیا اُٹھا۔ اُس کی بے چارگی بھری رونے کی آواز دور تک سُنائی دے رہی تھی۔ ہمدردی میں ہوا اُسے لے کر آگے بڑھی۔ گھر کی حفاظت کرنے والے لوگوں نے کہا ہوگا۔ ہائے! چھت پر بیٹھا کُتّا کِکیا رہا ہے۔ سمندر کے کنارے اس کا مالک اُسی رات کا کھانا کھا رہا ہوگا۔ کھانا ختم کر کے اس نے اپنے کُتّے کے لیے آج بھی مٹھی بھر بھات الگ رکھ چھوڑا ہوگا۔

کُتّا کچھ دیر تک لگاتار اونچی آواز میں کِکیاتا رہا۔ پھر آواز ہلکی ہو کر بند ہوگئی۔ شمال کی سمت کوئی اپنے گھر بیٹھے رامائن سُنا رہا تھا۔ کتّے نے اس طرف دیکھا، جیسے وہ اُسے سُن رہا ہو۔ وہ گلا پھاڑ کر دوسری بار بھی تھوڑی دیر کِکیایا۔

خاموش رات میں میٹھی آواز میں رامائن پڑھے جانے کی آواز ایک بار پھر سُنائی پڑی۔ کُتّا کان لگا کر دیر تک اُسے سُنتا رہا۔ ٹھنڈی ہوا میں وہ خاموش میٹھی آواز تحلیل ہوگئی۔ ہوا کے جھونکے اور لہروں کی آواز کو چھوڑ کر اور کچھ سنائی نہیں پڑا۔

مچان کے سب سے اوپر چھنن کا کُتّا سو گیا اور لمبی سانسیں لینے لگا۔ بیچ بیچ میں وہ مایوس ہو کر کِکیاتا بھی رہا۔ اسی وقت مینڈک نے چھلانگ لگائی۔ کُتّا دوبارہ بے چین ہو اُٹھا۔

صبح ہوگئی۔ کُتّا دھیمی آواز میں پھر کِکیانے لگا۔ اُس نے دِل سوز راگ چھیڑا۔ پانی کی سطح پر اُچھلتے کودتے مینڈکوں کو وہ ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

پانی کے اوپر دکھائی دے رہے جھونپڑے کے پتوں کو اُس نے حسرت سے دیکھا۔ ہر طرف ویران۔ کہیں پر چولھا بھی نہیں جل رہا تھا۔ کُتا اُن مکھیوں کو پکڑ رہا تھا جو اُس کے بدن کو خوشی سے کاٹ رہی تھیں۔ پچھلے پیروں سے منھ کو بار بار کھجلا کر وہ مکھیوں کو بھگانے لگا۔

تھوڑی دیر کے لیے سورج نکلا۔ صبح کی دھوپ میں وہ تھوڑا سو یا بھی۔ اُس کیلے کے پتے کا سایہ مچیا پر پڑ رہا تھا جو نرم ہوا میں ہل ڈول رہا تھا۔ کُتا اُس پر بھی لپک اُٹھا۔ وہ ایک بار پھر بھونکا۔

بادلوں سے سورج چھپ گیا۔ سب جگہ اندھیرا۔ ہوا نے پانی میں لہریں پیدا کر دیں۔ پانی کی سطح پر جانوروں کی لاشیں بہہ رہی تھیں۔ لہروں میں پڑ کر اُن کا بہاو اور تیز ہو گیا تھا۔ وہ ہر طرف بے روک ٹوک بہتی جا رہی تھیں۔ کُتے نے حسرت سے ان سب کو دیکھا اور پھر کِکیانے لگا۔

دور کہیں کوئی چھوٹی ناو تیزی سے جا رہی تھی۔ وہ اُٹھ کر دُم ہلانے لگا۔ اس ناو کی رفتار دیکھنے لگا مگر وہ جلدی ہی غائب ہو گئی۔

پانی برسنے لگا۔ کُتے نے اُکڑوں بیٹھ کر چاروں طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے کسی کو بھی رُلا دینے والی بے بسی کی کیفیت ظاہر ہو رہی تھی۔

بارش ختم ہو گئی۔ اُتر کے گھر سے ایک چھوٹی ناو آئی اور ناریل کے درخت کے پاس رُک گئی۔ کُتا دُم ہلاتے اور جمائیاں لیتے ہوئے کِکیایا۔ ناو والا ناریل کے پیڑ پر چڑھ کر کچے ناریل توڑنے کے بعد نیچے اُترا۔ وہ ناو پر ہی ناریل کا پانی پی کر پتوار لے کر ناو کھینے لگا۔

دور کسی پیڑ کی ٹہنی سے ایک کوّا اُڑ کر آیا اور اُس سڑی گلی لاش پر اُترا جو ایک موٹے بھینسے کی تھی۔ ـ ، کا کُتا خوشی سے اُسے دیکھ کر بھونک اٹھا۔ کوّا بھینسے کا گوشت نوچنے لگا تھا۔ پھر مطمئن ہو کر وہ بھی اُڑ گیا۔

ایک ہری چڑیا جھونپڑے کے پاس کھڑے کیلے کے پیڑ پر آ بیٹھی اور چہکنے لگی۔ کُتا بے چین ہو کر پھر بھونکا۔ وہ چڑیا بھی اُڑ گئی۔

پہاڑوں سے آ رہے پانی پر چینٹیوں کا ایک جھنڈ تھا جو جا کر جھونپڑے میں پھنس گیا۔ پھر بچ گیا۔ کھانے کی چیز سمجھ کر کُتا اُسے سونگھنے لگا۔ وہ ایک دم چھینک اُٹھا، اس کا چہرہ لال ہو کر تھوڑا سا سوج گیا تھا۔

دوپہر بعد، ایک چھوٹی ناو میں دو آدمی اُس طرف آئے۔ کُتا دُم ہلا کر انھیں دیکھ کر بھونکنے لگا۔ وہ اپنی زبان میں کچھ بولا جو انسان کی زبان جیسی تھی۔ پانی میں اُتر کر ناو چڑھنے کو وہ تیار کھڑا تھا۔ ''دیکھ، ایک کُتا کھڑا ہے۔'' اُن میں سے ایک نے کہا۔ کُتا ایک بار پھر کِکیایا، جیسے وہ ان کی ہمدردی کا شکریہ ادا کر رہا ہو۔ ''وہیں رہنے دے۔'' دوسرے آدمی نے کہا۔ کُتا منھ بند کر کے کچھ بولنے لگا، ایک دو بار اُس نے کودنے کی کوشش بھی کی۔

ناو دور چلی گئی۔ کُتا پھر ایک بار کِکیایا۔ ناو والوں میں ایک نے مڑ کر دیکھا۔

''ہائے!''

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

یہ ناؤ والے کی نہیں، کُتّے کی آواز تھی۔

''ہائے!''

اس کی تھکی ماندی اور دل چھو نے والی بے بس رُلائی دور ہوا میں ڈوب گئی۔ پھر لہروں کا لامتناہی شور۔ کسی نے پھر مُڑ کر نہیں دیکھا۔ کُتا اُسی طرح، ناؤ کے غائب ہو جانے تک کھڑا رہا۔ وہ بھونکتا ہوا مچیا پر چڑھ گیا، جیسے کہہ رہا تھا کہ اب دنیا سے آخری وداع لے رہا ہے۔ شاید کہہ رہا ہو کہ وہ آگے کبھی کسی آدمی کو پیار نہیں کرے گا۔

اس نے تھوڑا پانی پیا، پھر اوپر اڑنے والی چڑیوں کو دیکھا۔ لہروں میں بہتا ہوا ایک سانپ اُس کے پاس آیا۔ کُتا جھٹ سے مچیا پر جا پہنچا۔ چنن اور اس کا خاندان جس سوراخ سے باہر نکلے تھے، اُسی سے سانپ اندر چلا گیا۔ کتّے نے سوراخ کی طرف جھانکا۔ وہ پھر بھونکنے لگا۔ پھر کِکیایا۔ اُس کی آواز میں جان کا خوف اور بھوک دونوں تحلیل ہو گئے تھے۔ وہ زبان، کسی بھی زبان کا بولنے والا، یہاں تک کہ سیارے کی مخلوق بھی سمجھ سکتی تھی۔ اتنی پُر اثر تھی اُس کی زبان۔ رات ہو گئی۔ خوف ناک طوفان آیا۔ دو بار کُتا اوپر سے نیچے گرتے گرتے بچا۔ ایک لمبا سر پانی کے اوپر اٹھا۔ وہ ایک گھڑیال تھا۔ کُتا جان کے خوف سے بھونکنے لگا۔ پاس ہی کہیں مرغیوں کی ایک ساتھ رونے کی آواز سُنائی دی تھی۔

''کُتا کہاں سے بھونک رہا ہے؟ یہاں سے لوگ گئے نہیں کیا؟'' کیلے کے پیڑ کے پاس ایک ناؤ آئی جو پھوس، ناریل اور کیلوں سے بھری ہوئی تھی۔

کُتا ناؤ والوں کی طرف مُڑ کر بھونکنے لگا۔ وہ غصّے میں، دُم اٹھائے، پانی کے پاس گیا اور پھر بھونکا۔ ناؤ والوں میں سے ایک کیلے کے پیڑ پر چڑھ گیا۔

''بھائی، لگتا ہے کہ کُتا لپکے گا۔''

کُتا آگے کی طرف لپکا بھی۔ کیلے پر سے وہ آدمی گر پڑا۔ دوسرے نے اُسے ہاتھ دے کر ناؤ پر چڑھایا۔ اتنی دیر میں کُتا تیر کر مچیا پر جا پہنچا اور بدن جھٹکتے ہوئے غصّے سے بھونکنے لگا۔ چوروں نے کیلے کے گچھے کاٹ لیے۔ ''تجھے مل جائے گا۔'' گلا پھاڑ بھونک رہے کتّے سے اُنھوں نے کہا۔ پھر اُنھوں نے پھوس ناؤ میں ڈالا۔ آخر میں ایک آدمی مچیا کے اوپر چڑھا تو کتّے نے اس کا پانو اس طرح جھنجھوڑا کہ اس کے منہ میں گوشت بھر گیا۔ ''ہائے!'' وہ آدمی روتے ہوئے کود کر ناؤ پر چڑھا۔ ناؤ میں کھڑے آدمی نے پتوار لے کر کتّے کے پیٹ پر دے مارا۔

''کیں۔۔۔کیں۔۔۔کیں!'' کتّے کی آواز مدھم ہو گئی۔ کتّے نے جسے کاٹا تھا، وہ ناؤ پر رو رہا تھا۔

''ارے! چپ رہ۔ کوئی۔۔۔۔۔۔'' دوسرے نے اُسے دلاسا دیا۔ وہ آگے بڑھ گئے۔

بہت دیر بعد کتّے نے اس طرف دیکھا اور بھونکا جہاں سے ناؤ چلی گئی تھی۔

آدھی رات کے قریب کا وقت۔ ایک جانور کی لاش بہتی ہوئی جھونپڑے سے آ لگی۔ کُتا اُسے اوپر سے دیکھ رہا تھا۔ وہ نیچے نہیں اترا۔ لاش آہستہ آہستہ بہنے لگی۔ کُتا کِکیایا۔ ناریل کے پتّے کو اس نے چھیلا۔ دُم ہلائی۔ جھونپڑے سے ہٹ رہی لاش

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

کے پاس گیا اور دانتوں سے اُسے نزدیک کھینچ کر کھانے لگا۔ خوف ناک بھوک مٹانے کو اُسے کافی غذا مل گئی تھی۔

'ٹھے'، ایک زور کی آواز!

کُتّا دکھائی نہیں پڑا۔ جانور کی لاش تھوڑی ڈوب کر بہہ گئی۔

تب سے صرف طوفان کا شور، مینڈک کی ٹرّاہٹ اور لہروں کی آواز ہی سنائی دے رہی تھی۔ اور کچھ نہیں۔ ہر طرف خاموشی۔ گھر کی حفاظت کرنے والے لوگوں نے پھر کتّے کی رُلا دینے والی آواز نہیں سُنی۔ سڑی گلی لاشیں پانی کی سطح پر اِدھر اُدھر بہہ رہی تھیں۔ کسی پر بیٹھا کوّا گوشت نوچ نوچ کر آرام سے کھا رہا تھا۔ کوئی دشواری یا ممانعت نہیں تھی۔ چوروں کو بھی اپنے کام میں خلل نہیں پڑا۔ ہر طرف سنّاٹا!

تھوڑی دیر بعد وہ جھونپڑا گر پڑا اور پانی میں ڈوب گیا۔ تاحدِ نظر سوائے پانی، کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اپنے مالک کے گھر کی حفاظت اس وفادار کتّے نے آخری سانس تک کی۔ وہ چلا گیا۔ لیکن جھونپڑا تب تک پانی کی سطح پر کھڑا رہا جب تک اُس کتّے کو گھڑیال نے پکڑ نہیں لیا۔ اب وہ پانی میں بالکل ڈوب چکا تھا۔

پانی اُترنے لگا۔ چنن کتّے کو تلاش کرتا ہوا وہاں آیا۔ ایک ناریل کے پیڑ کے نیچے کتّے کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ لہریں اُسے دھیرے دھیرے کھسکا رہی تھیں۔ پانو کے انگوٹھے سے چنن نے اُسے ہلایا، اُسے الٹ کر دیکھا۔ اُسے یقین نہیں ہو سکا کہ یہ اُسی کا کُتا ہے۔ اُس کا ایک کان کٹ گیا تھا۔ کھال سڑ جانے سے رنگ کا بھی پتا نہیں چل رہا تھا۔

لفظ و معنی

جَجمان	–	لفظ 'یَجمان' کا بدلا روپ بہ معنی یگیہ کرانے والا۔ موجودہ دور میں ہندو قوم میں پوجا پاٹھ کے لیے برہمن کو مدعو کرنے والا شخص، اُس برہمن کا ججمان کہا جاتا ہے۔
انبار	–	ڈھیر
قطار	–	صف، ترتیب، سلسلہ
بھنبھوڑنا	–	درندہ جانور کا کسی کا دانتوں سے کاٹنا، پھاڑنا، نوچنا
لامتناہی	–	جس کی کوئی انتہا نہ ہو
وداع	–	رخصت
تحلیل	–	گھل جانا، ہضم ہو جانا

آپ نے پڑھا

- سیلاب میں گھری زندگیوں کی یہ ایک مختصر کہانی ہے۔ افسانہ نگار نے تباہی اور بربادی کی کوئی لمبی چوڑی داستان نہیں سنائی۔ اُس نے نقصانات کا کوئی تفصیلی گوشوارہ تیار نہیں کیا۔ ایک جانور (کتّے) کو مرکزیت عطا کر کے تکشی شِیو شنکر پلّے نے اس افسانے کو بشر دوست شہ پارہ بنا دیا ہے۔ رحم دلی، وفاداری، ایثار اور احساسِ ذمّے داری کو

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

اس افسانے میں بالکل انوکھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

- دنیا میں مختلف جانوروں میں کتّے اور گھوڑے کی وفاداریاں مشہور ہیں۔ دونوں جانور اپنے مالک کے وفادار ہوتے ہیں۔ اپنے آقا کی جان و مال کی حفاظت میں اپنی جان کو نچھاور کر دیتے ہیں۔ اس کہانی میں بھی کتا بھوکا پیاسا رہ کر اپنے مالک کے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ مالک اپنے بچّوں کے سامنے وفادار جانور کو نظر انداز کر سکتا ہے لیکن وفادار جانور ہر حال میں اپنے مالک کے تئیں وفادار رہتا ہے۔
- تکشی شِیو شنکر پلّے کی افسانہ نگاری کی یہ خاص بات ہے کہ کسی معمولی کردار یا غیر اہم صورتِ حال سے بات کی ابتدا کر کے وہ ایسے غیر معمولی اور اہم نتائج اخذ کرتے ہیں کہ پڑھنے والا حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ یہ ان کی مخصوص افسانوی تکنیک ہے۔ ''سیلاب'' افسانے میں بھی 'کتے' پر سارا ارتکاز ان کے اِسی انداز کو واضح کرتا ہے۔
- تکشی کے ہاں وحدتِ تاثر اپنے مثالی رنگ میں موجود ہے۔ واقعات کی تفصیل بتاتے ہوئے وہ کبھی بھی نفسِ مضمون سے دور نہیں جاتے۔ ''سیلاب'' افسانے میں بھی اس خصوصیت کو آپ نے بہ غور دیکھا ہوگا۔

آپ بتائیے

1- یہ افسانہ کس زبان میں لکھا گیا؟
2- تکشی شیو شنکر پلّے کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ ان کی دو کتابوں کے نام بتائیے۔
3- مندر کی چھت پر کتنے بچّے تھے؟
4- یہ کہانی کس انسانی کردار کے ذکر سے آگے بڑھتی ہے؟
5- چنن کے ساتھ ناو پر کون نہیں جا سکا؟
6- خاموش رات میں کس کی آواز سنائی پڑی؟
7- چنن اور اس کے گھر والے جس سُوراخ سے باہر آئے تھے، اس سے کون اندر چلا گیا؟
8- چوروں کی ناو کن چیزوں سے بھری ہوئی تھی؟
9- کُتّے کی موت کیسے ہوئی؟
10- کس نے اپنی وفاداری آخر تک نبھائی؟

مختصر گفتگو

1- کہیں بھی قدرتی آفات کے وقت کیسے لوگوں کی زندگی پر بن آتی ہے اور کیوں؟
2- سیلاب میں پانی کہاں کہاں سے آ کر نقصان پہنچاتا ہے؟
3- سیلاب میں چنن کے گھر کا حال کیسا تھا؟
4- کُتّے کے کس فعل سے آپ متاثر ہوئے؟

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

5- کُتّے کا مالک اسے کیوں نہیں پہچان سکا؟
6- اس افسانے کا عنوان ''سیلاب'' مناسب ہے؟ اس افسانے کے لیے کوئی نیا عنوان تلاش کیجیے۔
7- سیلاب میں چوروں کی سرگرمی کیوں بڑھی ہوئی تھی؟
8- سیلاب سے بچنے کے لیے اس افسانے میں کون کون سی ترکیبیں کام میں لائی گئی ہیں؟

تفصیلی گفتگو

1- اس افسانے میں کن وجوہات کی بنا پر کتا مرکزی کردار بن گیا؟
2- رات کی خاموشی میں سیلاب کی صورتِ حال کا منظر لکھیے۔
3- اس افسانے میں کن کن جانوروں کا ذکر ہوا ہے؟ لکھیے۔
4- مصنف نے کتے کو مرکزی کردار کیوں بنایا ہے؟
5- ''کتے کی جگہ کوئی دوسری شے اگر کشتی کی اس کہانی کے مرکز میں ہوتی تو شاید درد و کرب اور وفاداری و جاں نثاری کی وہ فضا قائم نہیں ہو پاتی جو اس افسانے کا جزوِ خاص ہے؟''
درج بالا قول کے اثبات یا نفی میں اپنے خیالات قلم بند کریں۔

آیئے، کچھ کریں

1- اپنے علاقے میں آنے والے سیلاب کے اثرات کا بہ غور جائزہ لیں اور انھیں لکھ کر اپنے استاد کو دکھائیں؟
2- کیا آپ کے علاقے میں سیلاب سے متاثر مقام پر امدادی کیمپ لگتا ہے؟ اگر ہاں تو وہ لوگ کون سے کام کرتے ہیں؟ کاپی پر لکھ کر بتایئے۔
3- آپ سیلاب زدگان کی مدد کس طرح کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں، اس کی تفصیل تیار کیجیے۔
4- سیلاب کے اسباب کے بارے میں اپنے جغرافیہ کے استاد سے معلومات حاصل کیجیے۔
5- کیا آپ کے اسکول کی لائبریری میں جنوبی ہندستان کی کسی زبان کے ادیب کی مترجمہ کتاب موجود ہے؟ اُسے حاصل کر کے پڑھیے اور اپنے تاثرات لکھ کر استاد کو دکھایئے۔
6- کیا آپ نے سیلاب کا منظر کبھی ٹیلی ویژن پر دیکھا ہے؟ اخباروں میں اس سے متعلق خبریں پڑھی ہیں؟ آپ ان وجوہات کی تلاش کیجیے جن سے صوبۂ بہار سیلاب کی زد میں آتا ہے۔ اس سے نجات اور بچاو کی جو صورتیں ہو سکتی ہیں، انھیں اپنی کاپی میں درج کیجیے۔
7- اس افسانے میں سیلاب کا جو منظر مصنف نے قلم بند کیا ہے، اُسے نیوز رپورٹ کی شکل میں تبدیل کیجیے۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)

مضمون

عام طور سے کسی خاص موضوع پر جو تحریر قلم بند کی جائے، اسے ادبی اصطلاح میں مضمون کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کے لیے Essay لفظ مخصوص ہے۔ انگریزی ہو یا اردو، اس ایک لفظ کے دائرۂ کار میں گاے بہ گاہے لکھے نوشتے سے لے کر کسی عالمانہ موضوع کا احاطہ کرنے والی تحریر تک کو شامل کیا جاتا ہے۔

غیر افسانوی ادب سے تعلق رکھنے والی یہ صنف اپنی گونا گوں خوبیوں کی وجہ سے مرکزیت کی حامل رہی ہے۔ بالعموم مضمون نگار سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ کسی موضوع کے تئیں معروضی رویہ اختیار کرے اور اس کا نقطۂ نظر عالمانہ ہو۔ مضمون کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ لکھنے والا اپنی باتوں کو سلسلے وار طریقے سے بیان کرے اور وہ اپنے موضوع کے تمام پہلوؤں پر قادر ہو۔

مضمون کی متعدد اقسام ہیں اور اکثر موضوع یا اندازِ تحریر کی وجہ سے انھیں الگ سے پہچانا جاتا ہے۔ جس تحریر میں شعر و ادب کی تفہیم اور تعبیر و تشریح کی کوشش ہوگی، اسے تنقیدی مضمون (Critical Essay) کہا جائے گا۔ جس تحریر میں لکھنے والے کا نقطۂ نظر علمی ہو اور تحریر کا انداز بھی عالمانہ شان کا حامل ہو، اُسے علمی مضمون کہا جائے گا۔ جس مضمون میں لکھنے والا ظریفانہ رُخ اختیار کرے، اسے ظریفانہ مضمون (Light Essay) کہا جائے گا۔ جس تحریر کا انداز ذاتی یا نجی ہو اور بیان کی شگفتگی بھی قائم رہے، اُسے انشائیہ (Personal Essay) کہا جائے گا۔

غیر افسانوی نثر میں مضمون نویسی کی اہمیت اس وجہ سے بھی قائم ہوئی کیوں کہ اس کا دائرۂ کار نہایت وسیع رہا ہے۔ سر سیّد تحریک کے زمانے سے ہی ایسی تحریروں کے لیے ایک موافق ماحول قائم ہوا۔ سر سیّد کے مضامین ان کے زمانے میں مضمون نویسی کے ماڈل کی طرح دیکھے جاتے تھے۔ حالی اور شبلی سے لے کر مہدی افادی تک ہر ادیب نے ایسے مضامین لکھے۔ ظرافت نگاروں نے ظریفانہ مضامین کا ایک طویل سلسلہ قائم کیا۔ صحافتی اور دیگر کاروباری ضرورتوں سے بھی مضمون نویسی کے فن کو استحکام حاصل ہوا۔ حالات اور ضرورت کے تحت اس صنف کی نئی قسمیں بنتی رہی ہیں۔

© copyright reserved to BSTBPC, Government of BIHAR (www.bstbpc.gov.in).
Publishing web/app/books will be a crime. Published by Abdiel Solutions (www.absol.in)